انوار النظر
فی
آثار الظفر

فقیہ الامت شیخ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی مدظلہم

کی

خود نوشت سوانح حیات

مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین لاہور

١

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

انوار النظر فی آثار الظفر

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم العالی

کی

خود نوشت سوانح

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی وکیل احمد خان صاحب شیروانی دامت برکاتہم

مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین

۶۹۔ شارع قائد اعظم مسجد اشرفی لاہور

سلسلۂ اشاعت ۲۰ رجب ۱۳۸۸ھ

قیمت : دو روپے ۲

تعداد — ایک ہزار

ماہ — رجب المرجب ۱۳۸۹ھ

قیمت — ۲ روپے

مطبع — اشرف پریس ایبک روڈ لاہور

ناشر — مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین ۴۹- شارع قائد اعظم لاہور

وکیل احمد خان شیروانی

طابع — ع۔ ج سالک خادم مجلس ہذا

و

مکتبہ اشرفیہ معرفت جامعہ

اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

گذارش

الحمد للہ رب العٰلمین والسلام والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الکریم

ولی اللہی خاندان کے درخشاں نجوم ہدایت سے لے کر قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور ان کے اصحاب ورفقاء کی مساعی جمیلہ اور ان کے مبارک اثرات و نتائج آج بھی بحمداللہ تعالےٰ نہ صرف ہند و پاکستان میں بلکہ پورے دنیائے اسلام میں نمایاں طور پر باقی ہیں۔

اسی مسلک و مشرب اور مکتبہ فکر کی ایک اہم ترین شخصیت بقیۃ السلف حجۃ الخلف، مجدد الملت حضرت سیدنا و مولانا حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کو حق تعالےٰ نے حقیقی معنی میں "حکیم الامت" بنایا تھا۔ مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی فکر ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی موجودہ ہمہ گیر کشمکش سے نجات کا نہ صرف راستہ بتا دیا ہے بلکہ اس کو سہل اور آسان کر کے امت کے سامنے مجلس صیانۃ المسلمین کے نظام عمل کی صورت میں پیش فرما دیا ہے۔

اس مجلس کی بنیاد خود حضرت حکیم الامت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی تھی۔ پاکستان میں اس کی نشأۃ ثانیہ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص رئیس الامت حضرت مولانا حافظ شاہ

ب

محمد خوشن وقت جلیل احمد صاحب علیگڑھی شیروانی کی پرخلوص کوششوں سے ہوئی
اب یہ مجلس عالم ربانی حضرت مولانا سید محمد نجم الحسن صاحب تھانوی
(نواسہ حضرت حکیم الامت تھانوی) کے زیر صدارت ۶۹ - شارع قائد اعظم
کے مرکزی مقام پر مصروف تبلیغ ہے۔ آج کل مجلس کے زیر اہتمام ہفتہ وار
درس قرآن ہر اتوار صبح ساڑھے نو بجے اور جمعۃ المبارک کے فرائض مسجد
اشرفی ۶۹ - شارع قائد اعظم لاہور میں مجلس کے روح رواں حضرت مولانا
وکیل احمد صاحب شروانی مدرس جامع اشرفیہ لاہور (صاحبزادہ رئیس
الامت حضرت مولانا شاہ محمد خوشوقت جلیل احمد صاحب شروانی علیگڑھی)
انجام دے رہے ہیں۔

خدام مجلس کی یہ خوش قسمتی مولانا موصوف ہی کی مرہون منت ہے
کہ تحریک پاکستان کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت تھانوی کے دست
راست عالم ربانی فاضل یزدانی شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد
صاحب عثمانی کی خود نوشت سوانح آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں
جس میں دیگر سوانحی حالات کے علاوہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں بعض
تاریخی حقیقتوں سے پردہ کشائی کی گئی ہے

مجلس صیانۃ المسلمین ایک خالص دینی تبلیغی ادارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے
دعا ہے کہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس کی اہمیت جاگزیں فرما دے تاکہ
بفضلہ تعالیٰ ان کے تعاون سے مجلس کی پرخلوص کوششوں کی رفتار میں ترقی
ہو۔ آمین۔ والسلام۔

ع۔ ج۔ سالک خادم مجلس ۱۶ رجب ۱۳۸۸ھ

گذارش

الحمد للہ رب العلمین والسلام والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الکریم

ولی اللہی خاندان کے درخشاں نجوم ہدایت سے لے کر قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور ان کے اصحاب ورفقاء کی مساعی جمیلہ اور ان کے مبارک اثرات ونتائج آج بھی بحمد اللہ تعالےٰ نہ صرف ہند و پاکستان میں بلکہ پورے دنیائے اسلام میں نمایاں طور پر باقی ہیں۔

اسی مسلک ومشرب اور مکتبہ فکر کی ایک اہم ترین شخصیت لقیۃ السلف حجۃ الخلف، مجدد الملت حضرت سیدنا و مولانا حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کو حق تعالےٰ نے حقیقی معنی میں "حکیم الامت" بنایا تھا۔ مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی فکر ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی موجودہ ہمہ گیر کش مکش سے نجات کا نہ صرف راستہ بتا دیا ہے بلکہ اس کو سہل اور آسان کر کے امت کے سامنے مجلس صیانۃ المسلمین کے نظام عمل کی صورت میں پیش فرما دیا ہے۔

اس مجلس کی بنیاد خود حضرت حکیم الامت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی تھی۔ پاکستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص رئیس الامت حضرت مولانا حافظ شاہ

محمد خوشوقت جلیل احمد صاحب علیگڑھی شیروانی کی پرخلوص کوششوں سے ہوئی

اب یہ مجلس عالم ربانی حضرت مولانا سید محمد نجم الحسن صاحب تھانوی (نواسہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ) کے زیر صدارت ۶۹ - شارع قائد اعظم کے مرکزی مقام پر مصروف تبلیغ ہے۔ آج کل مجلس کے زیر اہتمام ہفتہ وار درس قرآن ہر اتوار صبح ساڑھے نو بجے اور جمعۃ المبارک کے فرائض مسجد اشرفی ۶۹ - شارع قائد اعظم لاہور میں مجلس کے روح رواں حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شروانی مدرس جامع اشرفیہ لاہور (صاحبزادہ رئیس الامت حضرت مولانا شاہ محمد خوشوقت جلیل احمد صاحب شروانی علیگڑھی) انجام دے رہے ہیں۔

خدام مجلس کی یہ خوش قسمتی مولانا موصوف ہی کی مرہون منت ہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دست راست عالم ربانی فاضل یزدانی شیخ الاسلام حضرتؒ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی خود نوشت سوانح آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جس میں دیگر سوانحی حالات کے علاوہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں بعض تاریخی حقیقتوں سے پردہ کشائی کی گئی ہے

مجلس صیانۃ المسلمین ایک خالص دینی تبلیغی ادارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس کی اہمیت جاگزیں فرما دے تاکہ بفضلہ تعالیٰ ان کے تعاون سے مجلس کی پرخلوص کوششوں کی رفتار میں ترقی ہو۔ آمین۔ والسلام۔

ع - ج - سالک خادم مجلس ۱۶ ارجب ۱۳۸۹ھ

ج

صیانۃ المسلمین ـــ حیاۃ المسلمین

جمہوری نظام اور شخصی اصلاح

کا جامع اور اکسیری نسخہ

بعد الحمد والصلوٰۃ، حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین کے متعلق حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ "یہ دو کتابیں انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیام عمل ہے۔ ایک حیات المسلمین شخصی اصلاح کے لئے، دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے۔ ان کے مضامین اپنے موضوع میں گو رنگین نہیں مگر سنگین ہیں الخ"

(اقتباس از والا نامہ بنام مسلم لیگ اپریل ۱۹۴۳ء)

مجھے یہ معلوم کرکے نہایت مسرت ہوئی کہ لاہور میں ۶۹ مال روڈ پر مجلس صیانۃ المسلمین قائم ہے جو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ارشاد کے موافق شخصی اور جمہوری ہر دو نظام پر عمل کرنے کے لئے قائم ہوئی ہے اور بڑی خوشی اس کی ہے کہ دردمندانِ اسلام اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں

؎ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

امید ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شخصی اور جمہوری اصلاح میں جلد کامیابی ہوگی۔ اگر عذرِ ضعف مانع نہ ہوتا تو میں خود بھی اس مجلس کے نظام میں عملاً شریک ہوتا۔ چنانچہ ڈھاکہ میں بھی یہ مجلس قائم ہوئی ہے اور بندہ نے چاٹگام کے دورہ میں اس مجلس کے ارکان کے ساتھ شرکت کی تھی جس سے مجلس کو مسلمانوں میں

قبولِ عام حاصل ہوا اور ترقی ہو رہی ہے۔
خدا کرے میری اس تحریر سے بھی مجلس کو فائدہ پہونچے اور دردمندانِ اسلام
اس کی ترقی میں کوشش کریں۔
آخر میں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس مجلس کو اُس تبلیغ سے جس کا
مرکز ہندوستان میں نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے ونڈ ہے، پورا
اتفاق اور تعاون حاصل ہے کیونکہ دونوں کا مقصد خدمتِ اسلام اور
اصلاحِ مسلمین ہے۔
صرف طریق کار کا فرق ہے کہ پہلی تبلیغ چند اصول میں منحصر ہے اور صیانۃ
المسلمین پوری شریعت پر حاوی ہے۔ جیسا حیات المسلمین کے مطالعہ
سے ظاہر ہے۔
صیانۃ المسلمین میں پہلی تبلیغ کے اصول بھی شامل ہیں جیسا کہ تعلیم
المسلمین سے بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ
شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار
اشرف آباد حیدرآباد
سندھ

نگاہِ اولین ــــــ تعمیر پاکستان

(از حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　　　　　حامداً و مصلیاً و مسلماً

پاکستان معرض وجود میں تو ۱۹۴۷ء میں آیا مگر اس سلسلے میں سعی و کوشش کی خشت اول ۱۸۵۷ء میں علمائے دین خصوصاً علمائے تھانہ بھون، ضلع مظفرنگر یو پی نے رکھی تھی۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد جو خطرہ مسلمانوں کے دین و دنیا کو لاحق ہوا، اس کا سدباب کرنے کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی و مہاجر مکی رحمہ اللہ، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھانوی رحمہ اللہ وغیرہ بزرگوں اور اطرافِ ملک میں ان بزرگوں سے تعلق رکھنے والوں نے ہی سب سے اول جہاد سے کام لیا۔ بہت سے علماء و بزرگ اس میں شہید ہوئے اور بہت سے ہجرت کر گئے۔ انگریزوں نے تھانہ بھون کے سب مسلمانوں کی تمام صحرائی و سکنائی جائدادیں ضبط کر لی تھیں۔ یہ حکومتِ برطانیہ کی طرف سے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے مترادف ہے کہ اس "جہادِ آزادی" کے بانی یہی لوگ تھے۔ دینی خطرات کو محسوس کر کے جگہ جگہ دین کے مدرسے قائم کرنا جن کی بدولت آج اسلام پاکستان و ہندوستان میں دنیا بھر سے زیادہ نمایاں مل رہا ہے۔ اسی سرچشمہ کا فیض ہے۔ حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کی جنگی تیاریاں، آویزشیں اور پھر اپنوں ہی کی غداری سے ختم ہونا کس سے مخفی ہے؟ اس کے بعد ریشمی رومال

اس

کی تحریک، پھر خلافت کمیٹی کا کام انہی بزرگوں کے جانشینوں کے کارنامے ہیں۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ تحریک خلافت کے طریق سے تو اختلاف رکھتے تھے لیکن اصل مقصد سے انہیں کوئی اختلاف نہ تھا کیوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے اشتراک کو مضر اور ان کی غداری کا اندیشہ رکھتے تھے جو بعد میں سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جانشین کے والے ہندو لیڈر ہی تھے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نزدیک ہندوؤں سے اشتراک عمل اس لیے مضر تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم، ان کے نظریات الگ، طور طریق الگ، تعلیم و تمدن الگ، وہ خدائے وحدہٗ کے پرستار اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہی وہ اصول ہے جس پر پاکستان کی بنیاد ہے کانگریس اول اول ہر مذہب و ملت کے حقوق حاصل کرنے کے وجود میں آئی۔ اسی لیے مسلمان اس میں شامل ہو گئے مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اول روز ہی سے اس پر اطمینان نہ ہوا۔ انہوں نے اسے ہندوؤں کی چال قرار دیا۔ آخر وہ ظاہر ہونے لگی ؎

تو نہ بینی ہر چہ گوید دیدہ گوید،

یہ دیکھ کر کہ ہندو کانگریس کے ذریعے رام راج کی بنیاد رکھ رہے ہیں، مسلمانوں نے اس سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ اسی زمانہ میں قائد اعظم بھی کچھ عرصہ کانگریس میں شریک رہنے کے بعد الگ ہوتے تھے اور

پھر مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی، اور مسلمانوں کو الگ مستقل قوم منوانے کی کوشش شروع کر دی۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہم تحریک خلافت اور کانگرس سے اختلاف میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے دستِ راست تھے۔ زیادہ تر عملی خدمات میں مولانا ہی پیش پیش تھے۔ خلافت کمیٹی کے زمانہ میں جو لوگوں نے بائیکاٹ، قتل کی دھمکیاں، گالیاں اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، حضرت تھانویؒ کے ساتھ مولانا موصوف بھی برابر اس کا نشانہ بنتے رہے۔

اسی طرح لیگ کانگرس کی آویزش میں بھی ہدفِ ملامت بنتے رہے مگر جس صورت کو حق اور اسلام و مسلمانوں کے لئے مفید سمجھا ان بزرگوں کے قدم اس سے ڈگمگا نہ سکے۔

جن بزرگوں کو خلافت کمیٹی میں ہندوؤں کا اشتراک جس میں مسلمان اصل تھے اور ہندو تابع، مضر بلکہ ناجائز معلوم ہوا تھا وہ کانگرس کی شرکت جس میں ہندو اصل اور مسلمان تابع اور وہ بھی بلا شرط کیسے جائز قرار دے سکتے تھے اور پھر کانگرس میں ظلم و زیادتی، جائیدادوں کا غصب اور ہندوؤں کی رضاجوئی میں بہت سے ناجائز امور کا ارتکاب کیسے جائز کہا جا سکتا تھا۔

حضرت تھانویؒ کی تحریرات و تقریرات اور افاداتِ اشرفیہ، امداد الفتاوی اور ملفوظات میں بھی اس بارے میں بہت کچھ حصہ موجود ہے۔

بلکہ ملفوظات میں تو جو کانگرس کے غلبہ سے کشت وخون کے جاند لیتے ہتھے وہ بھی بیان ہیں جن کو بعد میں سب لوگوں نے دیکھ لیا۔ بالکل خلاف عادت ایک دفعہ شب کے دو بجے حاجی سعید اللہ صاحب عثمانی سے فرما بھی دیا تھا کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن جائے گا۔

مسلم لیگ و کانگرس کی آویزش کے دوران جب بہت سے سوالات حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں آتے تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ارشاد سے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم نے گیارہ بارہ سوالات جمعیۃ علمائے ہند اور مسلم لیگ کو بھیجے۔

افسوس کہ باوجود متعدد بار یاد دہانیوں کے جمعیۃ علمائے ہند نے کوئی جواب نہ دیا اور مسلم لیگ نے قابل اطمینان جوابات پیش کئے۔ اس پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرمایا نیز فروری ۱۹۲۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس میں مولانا احمد سعید صاحب کی طرف سے دعوت کے جواب میں یہ بھی تحریر فرما دیا:۔

" شرعی حیثیت سے صرف اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگرس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا

نہایت ضروری ہے۔ علمائ کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہیئے
تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصول پر ہو اور کانگریس میں
مسلمانوں کو داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی
موت کے مترادف ہے۔ والسلام"، اشرف علی۔

(افادات ص۵۸)

چنانچہ حضرت تھانویؒ کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت میں اعلان
کا شائع ہونا تھا کہ مسلمان جوق جوق مسلم لیگ میں شریک ہونا شروع
ہو گئے۔

اجلاس پٹنہ میں بھی حضرت تھانویؒ نے ایک وفد حضرت مولانا
مفتی محمد شفیع صاحب و مولانا مرتضیٰ حسن صاحب و مولانا شبیر علی
صاحب تھانوی پر مشتمل روانہ کیا اور ایک پیام پڑھنے کے لئے دیا جس
میں اپنی دو کتابوں "حیات المسلمین (انفرادی اصلاح کے لئے) اور
صیانۃ المسلمین[1] (اجتماعی درستی کے لئے) کی نشاندہی فرمادی۔
اس کے بعد پورے ملک میں لیگ ہی لیگ چمک اٹھی اور خود قائد
اعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے ارکان نے اس کا اعتراف کیا۔

---

[1] الحمد للہ تعالےٰ اس کتابچہ صیانۃ المسلمین کے نظام کے مطابق عالم
ربانی نواسہ حکیم الامت تھانوی حضرت مولانا مولوی سید محمد نجم الحسن
صاحب تھانویؒ مدظلہم کی زیر صدارت مجلس صیانۃ المسلمین ہی کے نام سے
مسجد اشرفی ۹۰ شارع قائد اعظم لاہور کے مرکزی مقام پر کام ہو رہا ہے
(ابوالبرکات)

ف

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن چھوڑتے ہوئے ۱۹۴۳ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بھی حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ ہی کے ایما پر تحریک پاکستان کو کامیاب کرانے کے بعد پاکستان میں آئین اسلامی کے نفاذ کی بھی پوری کوشش کرتے ہوئے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مگر ان دونوں بے مثال شخصیتوں کے دست راست، سب کاموں کے شریک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم آج بھی پاکستان میں تشریف فرما ہیں۔

پاکستان کے حقیقی معمار موجودہ لوگوں میں صرف حضرت مولانا موصوف ہی کہلائے جا سکتے ہیں۔ اب یہ ارباب حکومت کا فرض ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنی صلاحیتوں سے دنیا بھر میں پاکستان کا وقار قائم کیا ہے اور دنیاوی ترقی کی شاہراہ پر لگا دیا ہے وہ اس دنیائے اسلام کی سب سے بڑی حکومت کو دین کے اعتبار سے بھی مثالی بلکہ بے مثال حکومت بنا دیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کی ہستی سے بہتر اس کام کے لئے دوسرا شخص ملنا مشکل ہے کہ جن کی رگ رگ میں دین بھرا ہو جن کی پوری زندگی تقوے، خوف خدا اور حب خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین ہو۔ علم دین کی پوری گہرائی میں غوطہ زن ہوں اور باطن

میں معرفت و تزکیہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہوں اور اول دن سے پاکستان کی بنیادوں کو راسخ کرنے والے ہوں۔ ایسی ہستی صحیح معنوں میں پاک وہند میں دوسری ملنی مشکل ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم نے پاکستان کے لئے تخم پاشی و آبیاری میں کیا کیا کام انجام دیئے؟ وہ آپ، انہی کے قلم سے ان صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائیں جناب حسام اللہ شریفی صاحب کو کہ وہ حضرت مولانا سے استفسارات کرکے اس حقیقت کو صفحہ قرطاس پر لانے کے سبب بنے اور اراکین مجلس صیانۃ المسلمین کو اپنی رضائے کاملہ نصیب فرمائے کہ انہوں نے اس کو عملاً زیور طبع سے آراستہ کرکے آپ کے سامنے لا رکھا ورنہ اکیس سالہ عرصہ میں کبھی اس کی طرف نہ علماء کی توجہ ہوئی نہ عوام کی۔

حضرت مولانا کو ابوداؤد شریف کے شارح حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے درباروں سے فیض حاصل ہوا۔ اس لئے آپ کا باطن دو آتشہ بن گیا۔

پھر علم کی گہرائی، وسعت معلومات اور عام حالات پر نظر کے لئے خانقاہ اشرفیہ میں برس ہا برس عملاً خدمت افتاء میں مشغول رہے اور عجیب غریب اونچی سطح کی علمی تالیفات نوک قلم سے منصہ شہود پر

ل

آئیں جن کے نام اصل رسالہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

دو عجیب وغریب کتابیں کہ جن کی مثال سے دنیا خالی تھی اور ایک ہزار سال سے اب تک ایسی کتابیں کسی سے پیش نہ ہوئی تھیں، وہ حضرت مولانا کے قلم فیض رقم سے حضرت حکیم الامت تھانوی کی نگرانی اور حکم کے تحت وجود میں آئی ہیں جن کی ابتداء تو حضرت تھانوی نے فرمائی تھی اور ان کی کتابی شکل مولانا کے قلم سے نمودار ہوئی ہے۔ ایک اعلاء السنن دوسری احکام القرآن دونوں عربی میں ہیں۔

فقہ اسلامی حنفی کن کن آیات واحادیث سے ماخوذ ہے یکجائی طور پر اس کے لئے اب تک کوئی ایسی کتاب دنیا بھر میں موجود نہ تھی احکام القرآن میں آیات والفاظ قرآنی سے ان کے ماخذ اور طریقہ ہائے اخذ پیش فرماتے ہیں اور اعلاء السنن کی بیس ضخیم جلدوں میں وہ احادیث مع صحت وجوابات شبہات وشرح پیش کی ہیں جن سے فقہ حنفی ماخوذ ہے کم علم یا پروپیگنڈہ والے لوگ بے باکی سے یہ کہدیا کرتے تھے کہ مذہب حنفی صرف قیاسات کا مجموعہ ہے اور اس طرح مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ بنا ڈالا احناف۔ یہ دونوں کتابیں ان کے لئے سرمہ بصیرت اور احناف کے لئے سرمایہ اطمینان ہیں جو ہزار سال کے بعد یکجائی طور سے عالم وجود میں آگئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو ان تمام خدمات کے بہترین صلات عطا فرمائیں۔ آمین۔

جمیل احمد تھانوی

۱۳۸۹ھ

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

انوار النظر فی آثار الظفر

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ رسالہ ایک کرم فرما کے چند سوالات کے جواب میں ہے سوالات حسب ذیل ہیں۔

(نقل مکتوب)

۷۸۶

حضرۃ مخدومنا المکرم المحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ایک زیر ترتیب "تذکرۂ علماء" کے لئے آپ کا تعاون درکار ہے۔ اس سلسلے میں چند سوالات ارسال ہیں۔ آپ سے توقع ہے کہ اپنی اولین فرصت میں اپنے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کرکے اپنے اس ادنیٰ خادم کو ممنون فرمائیں گے

۱۔ والد صاحب کا اسم گرامی اور ان کے مختصر سوانح اور علمی خدمات؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۲۔ آپ کا ابتدائی اسم گرامی؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۳۔ تاریخی نام (اگر کوئی ہو)؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۴۔ تاریخ ومقام ولادت؟ (جواب بر صفحہ ۵)

۵۔ بچپن کے قابل ذکر واقعات؟ (جواب بر صفحہ ۶)

۶۔ زمانۂ تعلیم؟ (جواب بر صفحہ ۸۸)

۷۔ کن مدارس میں تعلیم حاصل کی؟ (جواب بر صفحہ ۸۸)

۸۔ طالب علمی کے زمانہ کے قابل ذکر واقعات؟ (جواب بر صفحہ ۸۸)

(جواب بر صفحہ ۸۹)

۹۔ اساتذہ؟

۱۰۔ سند حدیث کون کون سے علماء سے حاصل کی؟ (جواب بر صفحہ ۹۰)

۱۱۔ اساتذہ میں سے متاثر کرنے والی شخصیت؟ (جواب بر صفحہ ۹۰)

۱۲۔ دوسری شخصیات جن سے آپ متاثر ہوئے؟ (جواب بر صفحہ ۹۰)

۱۳۔ تدریسی زندگی اختیار کرنے کا سبب؟ (جواب بر صفحہ ۹۱)

۱۴۔ تدریسی زندگی کے قابلِ ذکر واقعات؟ (جواب بر صفحہ ۹۲)

۱۵۔ علم وفن کی کون سی شاخ آپ کی خصوصی دلچسپی کا مرکز ہے؟ (جواب بر صفحہ ۹۴)

۱۶۔ علمی خدمات کہاں کہاں انجام دیں؟ (جواب بر صفحہ ۹۴)

۱۷۔ تصانیف وغیرہ؟ (جواب بر صفحہ ۹۵)

۱۸۔ درسِ نظامی کے متعلق آپ کی رائے (اگر آپ اس میں اصلاح وترمیم ضروری سمجھتے ہیں تو وہ کس بنیاد پر کی جائے؟ (جواب بر صفحہ ۹۸)

۱۹۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے آپ کون سی تجاویز پیش کرتے ہیں؟ (جواب بر صفحہ ۱۰۱)

۲۰۔ مزید کوئی قابلِ ذکر بات (مثلاً تقسیم ہند میں آپ کی خدمت وغیرہ؟ (جواب بر صفحہ ۱۰۱)

گو آپ کی دینی وعلمی مصروفیات بے شمار ہیں۔ جن کا مجھے پورا احساس ہے مگر ان میں سے کچھ وقت اس انتہائی اہم ضرورت کے لئے نکال کر مذکورہ سوالات کے جواب سے مطلع فرمائیے۔ آپ کی انتہائی نوازش ہو گی۔

والسلام

خادم: محمد حسام اللہ شریفی

شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

مورخہ: ۲۲، جولائی ۱۹۶۶ء

اَلجَوَابُ وَاللّٰہُ المُوَفِّقُ لِلحَقِّ وَالصَّوَابِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرّمی! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عنایت نامہ پہنچا، اپنے حالات کیا لکھوں؟ جس کو فنا کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ اپنے وجود ہی کو گناہ سمجھتا ہے، حالات کا کیا ذکر؟

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

تو در و گم شو، وصال ایں است و بس

گم شدن گم کن، کمال ایں است و بس

—— مگر آپ کی طلب اور حسنِ ظن کی خاطر کچھ لکھے دیتا ہوں:-

۱- والد صاحب کا نام شیخ لطیف احمد عثمانی (مرحوم) ہے۔ زمیندار تھے۔ فارسی اور کچھ انگریزی پڑھے ہوئے تھے۔ دادا مرحوم شیخ نہال احمد صاحب دیوبند کے بڑے رئیس تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند میرے دادا کے بہنوئی اور والد صاحب کے پھوپا تھے۔ سوانح قاسمی میں جا بجا دادا مرحوم کا تذکرہ آیا ہے۔ سنا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی قدیم عمارت جس زمین میں ہے وہ میرے دادا مرحوم کی دی ہوئی ہے۔

۲- میرا ابتدائی نام ظفر احمد ہی ہے مگر ننہیال نے ظریف احمد نام رکھا تھا جو پرانے سرکاری کاغذات میں ہے۔ زبانوں پر نہیں تھا۔

۳- تاریخی نام والد صاحب نے تو نہیں رکھا، بعض احباب نے مرغوب نبی نکالا تھا

۴- ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ بمقام دیوبند محلہ دیوان، اپنے جدی گھر میں پیدا ہوا۔

۵۔ بچپن کے قابل ذکر واقعات کچھ یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ میں ڈھائی تین سال کا تھا کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے دوسرا نکاح کر لیا اور میری پرورش دادی صاحبہ مرحومہ نے کی۔

والد صاحب حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ اس لئے نماز پنجوقتہ اور روزے کے پابند تھے۔ میں بھی بچپن ہی سے نماز روزے کا عادی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ پہلا رمضان جس کا میں نے روزہ رکھا تھا، سردی کے موسم میں آیا تھا۔ اس وقت میری عمر تقریباً سات سال کی تھی اور میں مکتب میں پڑھنے جاتا تھا۔ اسی سال ختنہ بھی ہوئی۔

والدہ مرحومہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ کی حقیقی بہن تھیں۔ مرنے سے پہلے حضرت مولانا کو وصیت کر دی تھی کہ میرے بڑے بھائی (مولانا سعید احمد مرحوم) کو خود پڑھائیں اور عالم بنائیں۔ اس لئے بڑے بھائی صاحب نے جب قرآن حفظ کر لیا تو مولانا نے ان کو دیوبند سے تھانہ بھون بلا لیا۔ حفظ قرآن کا اہتمام بھی والدہ مرحومہ نے کیا تھا جو ان کے انتقال کے بعد بھی والد صاحب نے بدستور قائم رکھا کہ ایک حافظ صاحب برابر گھر پر آتے اور بھائی صاحب کو سبق دیتے اور روزانہ سنتے تھے۔

مجھے والد صاحب نے حافظ نہیں بنایا۔ میں نے ناظرہ قرآن حافظ نامدار صاحب اور حافظ غلام رسول صاحب اور مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم سے پڑھا ہے۔ اول الذکر دونوں دارالعلوم دیوبند کے مدرس قرآن اور مولوی نذیر احمد صاحب میری دادی صاحبہ کے بھائی تھے۔ وہ ایک رئیس کے مکان

پر بچوں کو پڑھاتے تھے۔

دادی صاحبہ مرحومہ اکثر دیوبند سے تھانہ بھون آیا کرتی تھیں اور مجھے ساتھ لاتی تھیں تو میں تھانہ بھون میں بھی جتنے دن رہتا، قرآن کا سبق ناغہ نہ کرتا تھا۔ حافظ عبداللطیف نابینا کے پاس پڑھتا رہتا جن سے بعد میں حفظِ قرآن کی دولت بھی مجھے نصیب ہوئی جب کہ میں درسیات سے فارغ ہو کر درس و تدریس، افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھا اور اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر چکا تھا۔

ناظرہ قرآن ختم کر کے درجۂ فارسی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ اس وقت عمر نو سال تھی۔ فارسی کتابیں ابتدا سے گلستان، بوستان تک مولانا محمد یاسین صاحب سے پڑھی تھیں جو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم دارالعلوم لانڈھی (کراچی) کے والد ماجد تھے۔

حساب منشی منظور احمد صاحب دیوبندی سے سیکھا جو درجۂ فارسی کے مدرس دوم تھے۔ والد صاحب گھر پر انگریزی بھی پڑھاتے تھے۔ مگر میں ہر کتاب کو پڑھ کر جلا دیتا تھا۔

ایک دفعہ تیسری کتاب میں کوئی لفظ دوسری کتاب کا آیا میں اس کا ترجمہ نہ کر سکا تو والد صاحب نے دوسری کی کتاب طلب کی۔ میں نے کہا "وہ جلادی گئی"۔ پوچھا "کیوں"؟ میں نے کہا "آپ بڑے بھائی صاحب کو عالمِ دین بنانا چاہتے ہیں اور مجھے جاہل رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں انگریزی سے نفرت کرتا ہوں، جو کتاب ختم ہوتی ہے جلا دیتا ہوں"۔ کہا "تو تم بھی اسپنے

ماموں صاحب کے پاس چلے جاؤ"۔

جب میں گلستان پڑھتا تھا، میری دادی صاحبہ تخت پر بٹھلا کر دفتر بچھا کر اور تکیہ رکھ کر مجھے بٹھلاتیں ۔ فرماتیں "جو تم نے پڑھا ہے، اپنے ماموں کی طرح بطور وعظ کے بیان کر دو" چنانچہ میں گلستان، بوستان کی حکایات بیان کرتا اور مستورات بڑے شوق سے سنتی تھیں۔ جب والد صاحب دیوبند سے باہر ملازمت پر چلے گئے تو میں نے بڑے بھائی صاحب کو خط لکھا کہ میں انگریزی پڑھنا نہیں چاہتا اور والد صاحب کے ساتھ جو گفتگو اس سلسلے میں ہوئی تھی اس کا ذکر کر کے انہیں لکھا کہ حضرت ماموں صاحب سے اس کا تذکرہ کر کے جو کچھ ارشاد فرمائیں، مجھے اطلاع دیں۔

بھائی صاحب کا جواب آیا کہ حضرت مولانا تمہارے خط سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم بہت جلد تھانہ بھون پہنچ جاؤ۔ اس وقت میری عمر بارہ ۱۲ سال تھی۔

میں نے ایک گھوڑا اپنے دھوبی کا کرایہ پر لیا اور وہ میرے ساتھ تھانہ بھون تک آیا پھر واپس ہو گیا۔ اب میں نے ابتدائی عربی شروع کی۔ میزان الصرف مولانا محمد یاسین صاحب نے شروع کرا دی تھی۔ مگر میں نے تھانہ بھون آکر از سر نو ابتدا کی۔

اس وقت حضرت حکیم الامت رح کے ماموں منشی شوکت علی صاحب مرحوم خانقاہ امدادیہ کے مدرسے میں فارسی کے مدرس تھے۔ وہ فارسی زبان کے ماہر بھی تھے اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ میں نے حضرت حکیم الامت رح

کے اشارہ سے ان کے پاس گلستاں دوبارہ شروع کی۔ حضرت حکیم الامتؒ کو اس کا اہتمام تھا کہ ہر فن اس کے ماہر سے حاصل کیا جائے۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم عربی مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی مصنف تیسیر المبتدی کے سپرد کی گئی۔ مولانا نے تیسیر المبتدی ہمارے ہی واسطے لکھی تھی جس کو میزان کے ساتھ ہم نے پڑھا اور پنج گنج و نحو میر تک برابر اس کا بھی سبق لیتے رہے۔ مولانا پڑھاتے کم تھے اجرائے قواعد زیادہ کراتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ نحو میر پڑھنے کے زمانہ میں ایک دوست کو میں نے خط لکھا تو اس میں ایک عربی شعر بھی خود بنا کر لکھا تھا۔

أَنَا مَا رَأَيْتُكَ مِنْ زَمَنْ فَازْدَادَ فِي قَلْبِي الشَّجَنْ

حضرت حکیم الامتؒ نے یہ خط دیکھ لیا تو ایک طمانچہ رسید کیا کہ ابھی سے شاعری؟ مگر استاد سے فرمایا کہ میں نے ظفر کو سزا تو دی کہ یہ وقت شعر و شاعری کا نہیں مگر آپ کے طرزِ تعلیم سے خوشی ہوئی کہ نحو میر پڑھنے کے زمانے میں اس کو صحیح عربی لکھنا آ گئی۔

اسی زمانے میں میرے بڑے بھائی صاحب اور چند طلبہ حضرت حکیم الامتؒ سے تجوید و قرأت کی مشق کیا کرتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ مشق کیا کرتا۔ ایک دن قریب مغرب کے میں وہ رکوع، جو اس دن مشق کیا تھا، اپنے حجرے میں بلند آواز سے پڑھ رہا تھا کہ حضرت حکیم الامتؒ خانقاہ میں تشریف لے آتے۔ میری آواز اور طرز قرأت سن کر مؤذن سے پوچھا کہ آج یہ عرب کہاں سے آ گئے؟ مؤذن نے ہنس کر کہا، عرب تو کوئی نہیں آیا، مولوی

ظفر مشق کر رہے ہیں۔ فرمایا ماشاء اللہ خوب مشق کر لی ہے۔ مجھے بالکل یہ معلوم ہوا کہ کوئی عرب پڑھ رہا ہے۔

اسی زمانے میں بڑے بھائی صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی عصر کے بعد حضرت مولانا سے مثنوی شریف پڑھتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ پڑھتا تھا۔ جب میں نے ہدایۃ النحو شروع کی تو اس کے ساتھ ہی ترجمۂ قرآن بھی شروع کر دیا اور مولانا عبدالاول صاحب جونپوری مرحوم کا رسالہ الطریف للادیب الظریف بھی (یہ رسالہ عربی ادب کے لئے بہت خوب تھا۔ اصح المطابع لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔ معلوم نہیں اب ملتا ہے یا نہیں) جس سے عربی کی اردو اور اردو کی عربی بنانے کی مشق میں مدد لی جاتی تھی۔

ترجمۂ قرآن مولانا شاہ لطف رسول صاحب سے پڑھا تھا جو حضرت حکیم الامتؒ کے خاص شاگرد تھے اور لکھنؤ کانپور کے قریب ایک قصبہ فتح پور کے رہنے والے تھے۔

ہدایۃ النحو کے بعد قدوری شروع کی اور اس کے ساتھ التلخیصات العشر بھی جو حضرت حکیم الامتؒ نے دس علوم کے متون سے اخذ کر کے تالیف فرمایا تھا (اب نایاب ہے)

اسی زمانے میں مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کے پاس کچھ مدت قیام کرنے کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے تو بعض اسباق التلخیصات کے خود حضرت حکیم الامتؒ

نے مجھے پڑھائے۔

میں اس وقت ایک دُمل کی وجہ سے صاحبِ فراش تھا، حضرت خود میرے پاس تشریف لاتے اور سبق پڑھا جاتے۔ بقیہ اسباق بڑے بھائی صاحب نے پڑھائے۔ جب مجھے صحت ہو گئی تو حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اب میں نے تفسیر قرآن لکھنی شروع کی ہے جس کے لئے بہت وقت کی ضرورت ہے۔ اب میں تم دونوں بھائیوں کو خود نہیں پڑھا سکتا، تم دونوں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں چلے جاؤ۔ وہاں میرے خاص احباب ہیں۔ (مراد خاص شاگرد تھے۔ مگر حضرت شاگردوں کو احباب ہی فرمایا کرتے تھے)

چونکہ مدرسہ جامع العلوم کانپور حضرت ہی کا قائم کردہ تھا۔ اس لئے تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں بھی سال میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے تھے کہ ترک ملازمت کے بعد سرپرستی باقی تھی۔ چنانچہ اس سال بھی جو کہ ۱۳۲۳ھ کا سال تھا۔ جب کانپور تشریف لے گئے، ہم دونوں بھائیوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور مولانا محمد اسحٰقؒ صاحب بردوانی مدرس اول جامع العلوم سے فرمایا کہ ان دونوں کو مدرسے میں داخل کر دیا جائے۔ بڑے بھائی صاحب نے تو فنون کی کتابیں لینا چاہیں، تفسیر بیضاوی، منطق و فلسفہ وغیرہ اور میں نے مشکوٰۃ و جلالین و ہدایہ کی درخواست دی۔

مولانا محمد اسحٰق صاحب نے امتحان داخلہ کے وقت مجھ سے پوچھا کہ آپ نے کیا پڑھا ہے۔ میں نے کتابوں کے نام گنا دیئے: میزان، منشعب، پنج گنج، نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، ترجمۂ قرآن، النظائف، قدوری

التلخیصات العشر، فرمایا "بس؟" میں نے عرض کیا "بس یہی کتابیں پڑھی ہیں"۔ فرمایا "نہ کافیہ پڑھا، نہ شرح جامی، نہ مختصر معانی، نہ شرح وقایہ نہ نور الانوار، پھر آپ ہدایہ و مشکوٰۃ کیسے پڑھیں گے؟

میں نے عرض کیا کہ اگر میں تھانہ بھون میں پڑھتا تو یہی کتابیں شروع کرتا کہ وہاں نصاب ضمان التکمیل میں ہدایۃ النحو، قدوری اور ترجمۂ قرآن کے بعد یہی کتابیں ہیں۔ فرمایا "اچھا، اس وقت جو کتاب میرے پاس طلبہ پڑھ رہے ہیں اس کی عبارت پڑھو" اس وقت ہدایہ اخیرین کا امتحان شروع ہو رہا تھا۔ میں نے قرأت کرنے والے سے سبق کا مقام پوچھا۔ اس نے بتلا دیا اور میں نے عبارت پڑھنا شروع کی۔ فرمایا اس کا ترجمہ بھی کیجئے میں نے ترجمہ بھی کر دیا۔ فرمایا مطلب بیان کیجئے۔ میں نے کہا یہ عبارت وسط کی ہے اس کا تعلق اوپر کی عبارت سے ہے۔ اس کو دیکھ لوں تو مطلب بھی بیان کر دوں گا۔ فرمایا تم ہدایہ، جلالین، مشکوٰۃ پڑھ لو گے جو طلبہ ہدایہ پڑھ رہے ہیں ان میں سے بعض کی نہ عبارت صحیح ہے نہ ترجمہ اور عبارت کا اوپر سے تعلق سمجھنا تو بہت دور ہے۔

چنانچہ ان کتابوں میں داخلہ مل گیا۔ جلالین شریف مولانا محمد اسحاق صاحب کے پاس تھی اور ہدایہ اخیرین و مشکوٰۃ مولانا محمد رشید صاحب کانپوری کے پاس تھی جو فقہ میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔

شام کو مولانا محمد اسحٰق صاحب نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا کہ یہ آپ کی کرامت ہے کہ مولوی ظفر نے نہ شرح جامی پڑھی

نہ نور الانوار، نہ مختصر المعانی اور وہ ہدایہ، مشکوٰۃ، جلالین پڑھنے کی قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مجھے تو حیرت ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کرامت نہیں بلکہ طریقۂ تعلیم کی خوبی ہے۔ ہمارے مدرسہ خانقاہِ امدادیہ کا طریقہ تعلیم بہت اچھا ہے کہ ان کے پاس ہدایۃ النحو پڑھنے والا ہر کتاب کی عبارت صحیح پڑھنے اور ترجمہ کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اور عربی سے اردو اور اردو سے عربی بھی بنانے لگتا ہے۔

حضرت حکیم الامت کے ساتھ ان کی اہلیہ کبریٰ بھی تھیں۔ ان کا قیام بھی کانپور میں پندرہ سولہ سال رہ چکا تھا۔ اس لئے ان کو بھی وہاں کی مستورات بلایا کرتی تھیں۔ سوا مہینے کے قریب حضرت کانپور میں قیام کر کے وطن واپس ہو گئے اور ہم دونوں بھائی جامع العلوم کانپور میں پڑھنے لگے۔ مجھے عربیت کا شوق تھا۔ اس لئے ایک سبق سبعہ معلقہ کا بھی لے لیا جو مولانا محمد رشید صاحب کے پاس ہوتا تھا۔

جامع العلوم کانپور میں حضرت حکیم الامت نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ ہدایہ پڑھنے والے جمعرات کے دن بجائے سبق کے، فتویٰ نویسی کی مشق کریں۔ استاد کوئی سوال فقہی دے دیں جس کا جواب کاپی میں لکھ کر طلبہ جمعرات کو پیش کریں۔ علم ادب پڑھنے والے جمعرات کے دن بجائے سبق کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کی مشق کریں۔ مشکوٰۃ، جلالین پڑھنے والے بعد مغرب کے عشاء تک شب جمعہ میں وعظ و تقریر کی مشق کریں۔ موضوع تقریر چند روز پہلے استاد مقرر کر

سے اپنے متعلقین اور مریدین کو ساتھ لے کر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی زیارت کے لئے پہنچ رہے تھے جب کہ مولانا (تھانویؒ) کو کشف ہو گیا تھا کہ یہ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کا آخری سال ہے۔

چنانچہ مجھے بھی حضرت (حکیم الامتؒ) نے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ گنگوہ بھیجا اور مجھے حضرت (گنگوہیؒ) کی زیارت اور دعا کی دولت نصیب ہوئی۔

اسی سال ہم دونوں بھائی حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ کانپور جا رہے تھے کہ راستے ہی میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر آ گئی اس خبر کو سن کر حضرت حکیم الامتؒ دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے پیشانی پر پسینہ آ گیا۔ دیر کے بعد سر اٹھا کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن کہکر حضرت (گنگوہیؒ) کے مناقب و کمالات بیان کرتے رہے۔

اوپر لکھ چکا ہوں کہ مجھے عربی ادب سے بہت رغبت تھی۔ اسی لئے میں نے سبعہ معلقہ کا سبق زیادہ لیا۔ جو میری جماعت کا سبق نہ تھا بلکہ اوپر کی جماعت کا تھا۔

اسی زمانے میں لکھنؤ سے ایک ماہوار رسالہ البیان عربی میں نکلتا تھا۔ اس میں مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ کے مضامین بھی عربی میں کبھی کبھی نکلتے تھے۔ مولانا اس وقت ندوہ میں تعلیم پا رہے تھے۔ میں نے مولانا سے مکاتیب کا سلسلہ جاری کیا اور غائبانہ تعارف ہو گیا مگر ملاقات کی نوبت اس وقت آئی جب مولانا بھی بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو گئے

اور یہاں بھی۔ اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

مجھے انگریزی سے تو نفرت تھی ہی۔ انگریزوں سے اور ان کے مذہب سے بھی بہت نفرت تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جمعرات کے جلسہ عربی میں بندہ نے عربی نظم پڑھ کر سنائی تھی۔ اس کا ایک شعر اب بھی یاد ہے ؎

سَأَتْرُكُ كُلَّ مَنْ عَبَدَ الْمَسِيحَا
بِحَوْلِ اللّٰهِ مَقْتُولًا لَمْ يَرْحَا

زمانہ طالب علمی میں میرے والد صاحب کے انتقال کی خبر آئی تو میں نے یہ دو شعر لکھ کر استاد سے رخصت طلب کی ؎

إِلٰى أَيْنَ أَبْكِي وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ
فَلَيْسَ امْرُؤٌ مِنَّا هُنَاكَ بِخَالِدٍ
وَأَوَّلُ مَنْ قَدْ ذَابَ قَلْبِي لِفَقْدِهِ
وَطَارَ بِلُبِّي مَوْتُهُ مَوْتُ وَالِدِي

حضرت استاد نے ان شعروں کی بہت تعریف کی اور بلا کر میری تسلی کی۔

مجھے زمانہ طالب علمی میں مناظرہ کا بھی شوق تھا۔ ایک پادری اور اس کی بیوی تازہ وارد کانپور ہوئے اور اس نے ایک عام جلسے کا اعلان کیا کہ اس جلسہ میں دین مسیحی کی فضیلت جملہ ادیان پر ثابت کی جائے گی، اور مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے گا۔ میں چند طلبہ کے ساتھ جلسے میں

پہنچ گیا اور اس سے چند سوالات کیے جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ
اصلی انجیل تو آپ کے پاس ہے نہیں، صرف تراجم ہیں، اور مترجموں
کا حال معلوم نہیں، نہ ان کی سوانح حیات موجود، نہ سلسلۂ اسناد موجود،
تو کیسے یقین کیا جائے کہ یہ تراجم صحیح ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم
وہی تھی جو اناجیل میں درج ہے۔ پھر یہ گورکھ دھندا بھی عجیب ہے کہ
خدا تین بھی ہیں اور ایک بھی ہے۔
اس پر پادری نے کہا اس کا جواب کل دیا جائے گا۔ جس جاہل
مسلمان کو عیسائی بنانا طے ہوا تھا اس نے پادری کا جواب سن کر کہا
پھر میں بھی آج عیسائی نہیں ہوں گا۔ جب ان سوالوں کا جواب دے لو
گے اور میرا دل تمہارے جوابوں کو مان لے گا تب عیسائی ہوں گا۔ اس
پر طلبہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پادری بہت خفیف ہوا۔
اسی زمانے میں ایک سال رمضان کی تعطیل میں بعض احباب کے
ساتھ بجائے تھانہ بھون جانے کے میں بنارس کی سیر کو چلا گیا۔ وہاں
اہل حدیث کے مدرسے میں قیام کیا کیونکہ میرے احباب کو اس کے سوا
کسی دوسرے مدرسے کا علم نہ تھا۔ وہاں کے علماء نے یہ معلوم کرکے کہ میرا
تعلق حضرت حکیم الامت رح سے ہے۔ میری بڑی خاطر کی، ایک وقت
دعوت بھی کی۔ پھر ہم نے اپنے پاس سے کھانے پینے کا انتظام کیا
بنارس کی سیر کی مسجد عالمگیری اور دیگر مقامات کو دیکھا۔
اسی وقت وطن ضلع اعظم گڑھ سے میرے ایک دوست کا خط

آیا کہ آپ بنارس میں آتے ہیں تو مئو بھی ضرور آئیں۔ میں نے دعوت قبول کر لی اور بنارس سے مئو چلا گیا۔ جن صاحب کا خط آیا تھا وہ درپردہ غیر مقلد تھے مگر کانپور میں انہوں نے اپنے کو حنفی ہی ظاہر کیا تھا۔ جب میں ان کے ہاں ٹھہر گیا تو حضرت حکیم الامتؒ کے تلامذہ اور مریدین جن کی وہاں خاصی تعداد تھی، میرے پاس آئے کہ تم نے کہاں قیام کیا، یہ تو غیر مقلد ہیں۔ میں نے کہا اب تو میں ان کی دعوت پر آیا ہوں۔ اس لئے دفعتہً یہاں سے الگ ہونا اخلاق کے خلاف ہے۔ آپ دعوت دیں گے تو میں آپ کے یہاں بھی آ جاؤں گا۔ مگر قیام یہیں ہوگا اور نماز حنفیہ کی مسجد میں پڑھا کروں گا۔

ایک دن اتفاق سے بعد نماز مغرب افطار کر کے لیٹ گیا، نیند آگئی اور سو گیا، جاگا تو حنفیہ کی مسجد میں تراویح ہو چکی تھی۔ غیر مقلدوں کی مسجد میں نمازِ عشاء دیر سے ہوتی تھی۔ میں نے اپنے میزبان سے کہا کہ آج ہم آپ ہی کے ساتھ تراویح پڑھیں گے۔

یہ لوگ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ میں نے گھر پر آکر بقیہ تراویح پوری کی اور نمازِ وتر کا بھی اعادہ کیا۔ کیونکہ یہ حضرات وتر میں درمیان کا قعدہ نہیں کرتے۔ ان کے مولوی نے مجھے وتر میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ لیا تو پوچھا آپ نے وتر کا اعادہ کیوں کیا؟ کیا ہمارے پیچھے آپ کا وتر صحیح نہیں ہوا؟ میں نے کہا، آپ نے درمیان میں قعدہ نہیں کیا اور ہمارے یہاں درمیان کا قعدہ واجب ہے اس لئے اعادہ کیا۔ کہنے

لگے، اس کے وجوب کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا اب تو سونے کا وقت ہے
دلیل کل بتلاؤں گا۔

صبح کی نماز کے بعد قرآن پڑھ کر سو گیا۔ نو بجے کے قریب جاگا تو
دیکھا، کمرے میں ایک بڑی میز پر کتابیں ہی کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے
کہا یہ کیا؟ میزبان نے کہا آپ نے فرمایا تھا کہ صبح کو وتر میں قعدہ کے
وجوب کی دلیل دوں گا، اس لئے یہ کتابیں جمع کر دی گئیں کہ جس کتاب
کی ضرورت ہو، موجود ملے۔ میں نے کہا مجھے مسلم شریف دے دو۔
اس میں باب کیفیۃ الصلوٰۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے فی کل رکعتین التحیۃ
(ہر دو رکعت پر التحیات ہے)

میں نے حدیث دکھلائی اور کہا جب ہر دو رکعت کے بعد التحیات
ضروری ہے اور التحیات قیام میں نہیں ہو سکتی، قعود ہی میں ہوتی ہے
اس لئے حنفیہ کا طریقہ وتر ہی صحیح ہے۔ تین رکعتیں تسلسل نہیں پڑھنا چاہئیں
کہنے لگے، نسائی کی روایت میں یہ ہے، فلاں روایت میں یہ ہے کہ لَمْ
يَجْلِسْ اِلَّا فِي اٰخِرِهِنَّ (یعنی آپ نے وتر کی تین رکعات پڑھیں اور
قعدہ آخر میں کیا، بیچ میں نہیں کیا)

میں نے کہا، یہ سب احادیث فعلیہ ہیں اور جو حدیث میں نے پیش
کی ہے وہ قولی ہے اور قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔ اس لئے حدیث
قولی مقدم ہے۔ اب یہ [illegible] رہا۔

پھر میں تو ہفتہ عشرہ کے بعد چلا آیا۔ میرے بعد اس مسئلہ میں حنفیہ اور فرقہ غیر مقلدین میں بحث چلتی رہی۔ دونوں طرف سے رسالے نکلے چونکہ میں نے سفر بنارس وغیرہ کے لئے حضرت حکیم الامتؒ سے اجازت نہیں لی تھی۔ اس لئے خائف تھا کہ حضرت ناراض ہوں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ مگر جب تھانہ بھون آیا، حضرت کو ناراض نہ پایا۔ فرمانے لگے مجھے اس حرکت پر غصہ تو آیا تھا کہ تم نے بلا اجازت بنارس اور مئو کا سفر کیا مگر وہاں کے احباب کے خطوط سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ تم نے وہاں جمعہ کے دن تقریر اچھی کی جس سے احباب خوش ہوئے۔

۲۶. ۱۳۲۵ھ میں بندہ نے دورۂ حدیث (صحاح ستہ مع مؤطا امام مالکؒ) حضرت استاذی مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانیؒ سے درسًا درسًا پڑھا۔ بڑے بھائی صاحب اسی سال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ اور دیگر اساتذہ مظاہر علوم سے دورۂ حدیث پڑھا اور ۱۳۲۶ھ میں واپس آگئے اور فنون کی تکمیل کی یعنی منطق و فلسفہ وغیرہ کی۔

شعبان ۱۳۲۶ھ میں ہم لوگوں کا امتحان فراغتِ دینیات ہوا تو بھائی صاحب بھی اس میں شریک ہوگئے۔ حالانکہ وہ ہم سے ایک سال پہلے کتب حدیث سے فارغ ہوگئے تھے اور ہم نے ۱۳۲۶ھ ہی میں دورہ ختم کیا تھا۔ ہماری یادداشت تازہ تھی اور ہم لوگوں نے

امتحان سے ایک مہینہ پہلے کتب بینی کے لئے رخصت مل گئی تھی۔ اس مہینے میں ہم نے بہت کچھ مطالعہ کیا اور بھائی صاحب سیر و تفریح میں رہے مگر پھر بھی وہ سب سے اول آئے۔ میں ان کے بعد رہا۔

اس امتحان میں ممتحن حضرات باہر کے تھے۔ حدیث کا امتحان حضرت مولانا محمد حسن صاحب (مدرس اول دار العلوم دیوبند) کے پاس تھا۔ فقہ کا مولانا سعید اللہ صاحب رامپوری کے پاس اور نحو و صرف و بلاغت و ادب کا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے پاس اور تفسیر کا حضرت حکیم الامت تھانوی کے پاس تھا۔

حکیم الامت نے بھائی صاحب کو سو میں سے نوے نمبر دئے اور بہت تعریف کی۔ ماشاء اللہ وہ بہت ذہین تھے۔ اگر زندہ رہتے تو حضرت حکیم الامت کا نمونہ ہوتے۔ خوش بیان و خوش تقریر بھی بہت تھے جس زمانے میں ترکوں کی امداد کے لئے ہندوستانی مسلمانوں نے انجمن ہلال احمر قائم کی تھی، سہارنپور کی ہلال احمر نے حضرت حکیم الامت کو وعظ کی دعوت دی۔ حضرت تشریف لے گئے۔ بھائی صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے۔ حضرت حکیم الامت کی تقریر کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ مولوی سعید احمد صاحب بھی تقریر کریں۔ حضرت نے اجازت دے دی۔ بھائی صاحب نے ایک گھنٹہ تقریر کی۔ مولوی عبد اللہ جان صاحب مرحوم وکیل سہارنپور جو سر سید احمد خان اور علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ عرصے تک علیگڑھ رہ چکے تھے، بڑے متاثر ہوئے

اور کہنے لگے یہ شخص زندہ رہا تو بڑا اعلیٰ درجے کا مقرر ہوگا۔

مدرسہ جامع العلوم کانپور میں امتحانِ فراغتِ دینیات پہلے ہوتا تھا اور امتحانِ فراغتِ درسیات پیچھے۔ فراغت دینیات کے امتحان میں پاس ہونے والوں کو سند اور دستار دونوں دی جاتی تھیں اور فراغت درسیات کے امتحان میں پاس ہونے والوں کو صرف سند دی جاتی تھی۔ عہ

ہم دونوں بھائی امتحان دینیات سے فارغ ہو کر تعطیلِ رمضان میں تھانہ بھون آئے اور ایک ہفتہ قیام کر کے اعزۂ دیوبند سے ملنے کا ارادہ کیا تو درمیان میں سہارنپور ایک دن کے لئے ٹھہرے۔ بھائی صاحب سے میں نے کہا کہ موقع ملا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے ادب و بلاغت کے پرچے کے نمبر معلوم کریں گے۔ بھائی صاحب نے کہا "بس حضرت کی زیارت کے قصد سے چلو، نمبروں کا وہ پتہ نہیں دیں گے" مگر جب ہم حاضر ہوئے تو حضرت مولانا بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور خود ہی فرمایا:۔

"مولوی ظفر! ہم تمہارے جواب سے بہت خوش ہوئے۔ تم نے ادب و بلاغت کے پرچے کا بہت اچھا جواب دیا اور عربی کی اردو اور اردو کی عربی بھی خوب بنائی، اس لئے ہم نے تم کو سب سے زیادہ نمبر دئے ہیں یعنی سَو میں سے ۸۰ اسّی، باقی سب تم سے کم ہیں"

عہ بھائی صاحب نے امتحان دینیات کے ساتھ امتحان درسیات بھی دیا تھا۔

مولانا کی اس عنایت و شفقت نے دل پر ایسا اثر کیا کہ میں انہیں کا ہو رہا اور بالآخر دو سال بعد بیعت ہو گیا۔ تعطیل رمضان کے بعد ہم دونوں بھائی کانپور واپس آئے تو مہتمم مدرسہ جامع العلوم اور مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا۔

اسی زمانے میں حضرت حکیم الامتؒ نواب ڈھاکہ کی دعوت پر ڈھاکہ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں کانپور بھی اس نزاع کو ختم کرانے کے لئے اترے۔ چند روز قیام فرمایا۔ مگر نزاع ختم نہ ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ بظاہر مولانا محمد اسحٰق صاحب جامع العلوم سے استعفاء دے دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو تم تھانہ بھون چلے جانا کیونکہ تمہاری درسیات کی کتابیں باقی ہیں۔ ان کو دیوبند یا سہارنپور کے مدرسے میں پورا کر لینا چاہیئے۔

بڑے بھائی صاحب کا تقرر جامع العلوم ہی میں معینِ درس کے عہدہ پر ہو گیا تھا، وہ تھانہ بھون واپس نہ ہوسکے۔

جب مولانا محمد اسحاق صاحب پچیس ۲۵ سال جامع العلوم میں درس حدیث دے کر ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ میں مستعفی ہو کر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تشریف لے گئے تو بندہ تھانہ بھون واپس آگیا۔

مولانا محمد رشید صاحب کانپوری بھی جامع العلوم سے مستعفی ہو گئے اور چند دنوں کے بعد وہ بھی مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں تشریف لے گئے۔ ان حضرات کے چلے جانے سے مدرسہ جامع العلوم کانپور جو مشرقی اضلاع میں دارالعلوم دیوبند کا نمونہ تھا۔ اب اس نشان کا نہ رہا۔

حضرت حکیم الامتؒ سفر ڈھاکہ سے واپس ہوئے تو میں تھانہ بھون ہی میں تھا۔ محرم ۱۳۲۷ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے مجھے تکمیل درسیات معقول و فلسفہ وغیرہ کے لئے دار العلوم دیوبند بھیجنا چاہا مگر میں مظاہر علوم سہارنپور جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ دیوبند میں جدّی گھر تھا، جدی قرابت دار سب وہاں تھے۔ گھر میں رہ کر پڑھنا دشوار ہوتا مگر مظاہر علوم سے معقول و فلسفہ پڑھانے والے مدرس مولانا محمد یحییٰ صاحب سہرامی مستعفی ہو کر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تشریف لے گئے۔ اس لئے حضرتؒ کو وہاں بھیجنے میں تردد تھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا خط حضرت حکیم الامتؒ کے نام آیا کہ مولوی ظفر احمد کو آپ مظاہر علوم ہی میں بھیجیں، معقول و فلسفہ کے لئے ہم نے مولانا عبد القادر صاحب پنجابی کو بلایا ہے۔ وہ عنقریب تشریف لانے والے ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ جب مولانا خلیل احمد صاحب کی تم پر اس قدر عنایات ہیں کہ خود بلانا چاہتے ہیں تو اب اللہ کا نام لیکر تم مظاہر علوم ہی میں چلے جاؤ۔

چنانچہ وسط محرم ۱۳۲۷ھ میں بندہ مدرسہ مظاہر علوم میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ چند روز کے بعد مولانا عبد القادر صاحب بھی تشریف لے آئے اور میں نے ان سے اور مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم سے منطق، فلسفہ، ریاضی و ہیئت کی کتابیں پڑھنا شروع کیں اور گاہے گاہے حضرت مولانا خلیل

احمد صاحب کے درسِ بخاری میں بھی شریک ہوتا۔
اسی زمانے میں میرے ابتدائی استاد مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی بھی تھانہ بھون سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہوکر تشریف لے آئے اور مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندھلوی بھی گنگوہ سے مظاہر علوم میں رونق افروز ہوگئے۔

دو سال کے عرصے میں کتب درسیات سے فارغ ہوگیا۔ مجھے یاد ہے کہ جماعت شرح چغمینی کا امتحانِ سالانہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب (قدس سرہٗ) نے لیا تھا اور مجھے نمبر اول میں پاس کیا تھا شعبان ۱۳۲۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں عظیم الشان جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا تھا جس میں اکابر علماء دیوبند تشریف لائے تھے حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانیٔ دار العلوم دیوبند بھی تشریف لائے تھے۔ بڑے خوبصورت اور خوش لباس تھے۔

اسی سال مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم اور مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی اور مولانا ثابت علی صاحب مدرسان مظاہر علوم نے حج کا ارادہ کیا تو میرے دل میں بھی تقاضا پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس ایک سو پچیس (۱۲۵) روپئے زمین کی قیمت سے آگئے تو مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا "تمہارے ذمہ حج فرض ہوگیا" (صرف حج کے لئے اس وقت اتنی رقم کافی تھی، سفرِ مدینہ واجب نہیں۔ اگر

وسعت نہ ہو، ترک کر سکتا ہے مگر سفر مدینہ کے لئے حج کو ترک کرنا جائز نہیں)

میں نے حضرت حکیم الامتؒ کو اطلاع دی تو فرمایا کہ میرے نزدیک تو حج فرض نہیں ہوا مگر جب مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں تو ارادہ کرلو۔ چنانچہ میں نے بھی ارادہ کرلیا۔ وقت پر پچاس، ساٹھ روپے اور آگئے۔ اس رقم میں حج اور زیارتِ مدینہ دونوں ادا ہوگئے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلَہُ الشُّکْرُ۔

ہم لوگ حج سے سوا مہینہ پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اس وقت پہلی بار کعبۃ اللہ پر نظر پڑتے ہی دل کی جو کیفیت ہوئی، بیان میں نہیں آسکتی

سفرِ حج شروع کرنے سے پہلے میں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے حدیث مسلسل باجابت دعاء فی الملتزم کی اجازت طلب کی تو حضرت نے ہم سب کو جو اس سال حج کو جارہے تھے اس حدیثِ مسلسل کی اجازت سے مشرف فرمایا۔

اس حج میں حضرت مولانا رشید صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے صاحبزادے اور نواسے حافظ یعقوب صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے اور آخرِ ذی قعدہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب بھی مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ ۴، ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی حج کے لئے تشریف لے آئے۔

مولانا نمازِ فجر کے بعد طوافِ بیت اللہ میں مشغول تھے اور میں اس وقت مولانا محب الدین صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بزرگ حضرت

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ کے خلفاء میں صاحب کشف مشہور تھے۔ وہ اس وقت درود شریف پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔

اُس وقت حرم شریف میں کون آگیا کہ سارا حرم اس کے انوار سے بھر گیا"

مولانا خلیل احمد صاحب طواف سے فارغ ہو کر صفا مروہ کی سعی کے لئے باب الصفا کی طرف چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس بھی آئے (ان کا حجرہ باب الصفا کے قریب ہی تھا) مولانا کو دیکھ کر مولانا محب الدین صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا:۔

"میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آگیا"

پھر معانقہ، مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب تو صفا مروہ کی سعی کو تشریف لے گئے اور مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے:۔

"میں نے مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کو نہیں دیکھا مگر مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ قطب الارشاد تھے۔ ان کے خلفاء کو دیکھ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ واقعی قطب الارشاد تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب تو سراپا نور ہیں اور مولانا عبدالرحیم صاحب بڑے قوی النسبت ہیں کہ مرید کے دل کو جھاڑ جھنکاڑ سے ایک دم صاف کر دیتے ہیں"

میں نے عرض کیا "حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے"؟ فرمایا:-

"مولانا اس وقت مقامِ علم میں ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ آجکل تفسیر لکھ رہے ہیں۔ مجھے اس تفسیر کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس میں بڑے علوم ہوں گے"۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تفسیر مکمل ہو گئی ہے اور کچھ حصّے طبع بھی ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ساتھ حج نصیب ہونے سے ہم سب کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ حضرت کی وجہ سے کمال اتباعِ سنت کے ساتھ حج ہوا۔ بعض سنتوں کا تو بہت سے اہل علم کو بھی پتہ نہ تھا۔ مولانا کی برکت سے ہمیں علم حاصل ہوا

اس سفر میں حضرت مولانا کی کرامات حسّی بھی ظاہر ہوئیں جو غالباً تذکرۃ الخلیل میں طبع ہو گئیں ہیں۔

حضرت اقدس کے ساتھ اس سال مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی بھی حج کو آئے تھے اور وہ علماء حرمین سے حضرت مولانا کے رسالے "المہنّد علی المفنّد" پر دستخط لے رہے تھے جس میں مولانا نے علماء دیوبند کے عقائد بیان کر کے اہل بدعت کے اعتراضات کا جواب دیا اور ان کے افترات کا کذب ثابت کیا تھا۔

مدینہ منورہ میں بھی علماء سے دستخط لئے گئے تو معلوم ہوا کہ علامہ سید برزنجی شافعی بہت بڑے عالم ہیں اور اس وقت نابینا ہونے کے باوجود

بطور املاء کے کتابیں تصنیف کرتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ بندہ بھی حضرت کے ساتھ گیا اور ان بزرگ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ واقعی بڑے بابرکت، صاحب انوار بزرگ تھے۔ میرے پاس رقم اس حج میں دو سو سے زیادہ نہ تھی اور میرے رفقاء میں سے کسی کے پاس بھی پانچ سو سے کم رقم نہ تھی۔ بعض کے پاس سات سو، آٹھ سو بھی تھے اور وہ خوب فراغت سے ناشتہ اور کھانا کھاتے۔ میں بھی ان کے ساتھ شریک تھا ختم ماہ پر حساب ہوتا تو ہر شخص پر تقسیم کر دیا جاتا۔ میں اپنے حصے کی رقم سب کے برابر ادا کر دیتا۔ رفقاء کو خیال ہوا کہ شاید میرے پاس سفر مدینہ کے لئے رقم نہ بچی ہوگی کیونکہ مکہ مکرمہ میں سوا مہینہ حج سے پہلے اور سوا مہینہ حج کے بعد قیام میں دو سو سے زیادہ تو کھانے پینے اور تبرکات خریدنے ہی میں ہر ایک کے خرچ ہو گئے تھے

ایک صاحب کہنے لگے۔ حج تو ادا ہو گیا اور سفر مدینہ فرض نہیں، اہل وسعت پر واجب یا سنت ہے تو جس کے پاس رقم کم ہو وہ مکہ ہی سے واپس ہو جائے۔ انہوں نے دو تین بار یہ بات کہی تو میں سمجھ گیا کہ مجھے سنانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ میری فکر نہ کریں۔ بحمد اللہ میرے پاس رقم کافی ہے۔ کہنے لگے کتنی رقم ہے؟ میں نے کہا یہ تو مجھے بھی خبر نہیں کیونکہ جب میں سہارنپور سے چلا تھا تو مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے مجھے ایک روپیہ دیا تھا کہ اس پر نشان کر کے رقم میں

ہلالو۔ اس کو خرچ نہ کرنا اور حساب بھی نہ کرنا۔ بلے حساب خرچ کرتے رہنا اس لئے میں نے اسی وقت سے گنا نہیں۔ بس ضرورت کے موافق ہمیانی سے نکالتا رہتا ہوں۔ اندازہ یہ ہے کہ ابھی ہمیانی میں بہت رقم ہے۔

چنانچہ میں اسی طرح خرچ کرتا رہا اور راحت کے ساتھ سفر مدینہ سے فارغ ہوکر بمبئی پہنچ گیا۔ بمبئی میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ میں فرنٹیر میل سے جانا چاہتا ہوں جس میں انٹر سے کم کا درجہ نہیں۔ مولوی ظفر! تم بتلاؤ کہ انٹر کا کرایہ تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ میں نے کہا "انشاء اللہ ہو جائیگا۔ فرمایا "گن کر بتلاؤ کتنا روپیہ ہے" شیخ کے حکم سے رقم کو گنا پڑا تو اب بھی تیرہ روپے باقی تھے، فرمایا، سہارنپور تک کا کرایہ تو ہو جائے گا۔ اس پر خان بہادر حاجی وجیہ الدین صاحب نے عرض کیا کہ ان کا ٹکٹ میں لے لوں گا۔ یہ رقم ان کے پاس رہنے دی جائے تاکہ گھر پر خالی ہاتھ نہ جائیں۔ مولانا نے منظور فرمالیا اور یہ رقم بچ گئی۔

حاجی وجیہ الدین صاحب کی یہ عنایت مجھے ہمیشہ یاد رہی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔ بڑے اچھے آدمی تھے۔

فرنٹیر میل سے سوار ہوکر اگلے دن سہارنپور پہنچ گئے۔ وہاں سے میں نے تھانہ بھون کا ٹکٹ لیا۔ حضرت حکیم الامتؒ کو اطلاع ہوگئی۔ اسٹیشن پر تشریف لائے۔ میں نے اتر کر مصافحہ کیا۔ حضرت نے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا "ماشاء اللہ حج کر کے تو تمہارا قد بھی بڑھ گیا"

تھانہ بھون میں ایک مہینہ قیام کر کے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حضرت نے
فرمایا کہ ایک مدرس کی طلب چھتاری سے آئی ہے۔ ابتدائی تنخواہ
بیس روپے ہوگی۔ اگر جانا چاہو تو تمہارا نام بھیج دوں۔
میں نے عرض کیا کہ میری تمنا تو یہ ہے کہ حضرت والا کی خدمت
میں قیام کر کے درس دوں۔ کیونکہ میرا علم ابھی مستحکم نہیں۔ جب سے
پہلے ہی درسیات سے فارغ ہوا ہوں۔ جس کو چند ماہ کا عرصہ ہوا ہے
میں ابھی سے باہر جاؤں، اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت کو میرے جواب
سے خوشی ہوئی۔ فرمایا:۔

"کہ تمہارے استاد مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی مظاہر علوم
سے تھانہ بھون کے مدرسے میں جانا چاہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ
تم ان کی جگہ یہاں کام کرو۔ مگر ان کی تنخواہ پندرہ روپے تھی،
وہی تم کو ملے گی۔"

میں نے عرض کیا کہ مجھے تنخواہ مطلوب نہیں۔ حضرت کی خدمت
میں رہنا مطلوب ہے۔

چنانچہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کی مدرسی پر
فائز ہو گیا اور سات آٹھ سال تک مدرس رہا۔ ابتداء میں شرح وقایہ
نور الانوار وغیرہ میرے سپرد ہوئیں۔ پھر بتدریج ترقی ہوتی رہی کہ ہدایہ
مشکوٰۃ، میبذی، شرح عقائد مع حاشیہ خیالی وغیرہ بھی پڑھائیں۔

عربیت وادب سے مجھے خاص مناسبت تھی۔ اس لئے سبعہ معلقہ و متنبی وغیرہ بھی میرے سپرد کی گئیں۔

مولانا بدر عالم مرحوم نے جو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر فیض الباری (شرح بخاری) کے مؤلف تھے، نور الانوار اسی زمانے میں بندہ سے پڑھی تھی۔ مولانا ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ (لاہور) نے ہدایہ و مشکوٰۃ مجھ سے پڑھی تھیں۔

موصوف "التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح" کے اور بہت سی عمدہ تالیفات کے مؤلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حیات میں برکت دیں۔ آمین۔

مرحوم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدرس اوّل مظاہر علوم سہارنپور و سابق شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ڈنڈو اللہ یار نے اسی زمانے میں مجھ سے عربی علم ادب کی کتابیں پڑھی تھیں اور عربی سے اردو اردو سے عربی بنانے کی مشق بھی کی تھی۔ ابھی قریب عرصے میں ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا وَلَهٗ وَيَرْحَمُنَا وَاِيَّاهُ

مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم (سہارنپور) نے بھی کچھ ابتدائی کتابیں صرف و نحو کی مجھ سے پڑھی تھیں۔

مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم حال مظاہر علوم (سہارنپور) نے بھی کچھ عربی کتابیں مجھ سے پڑھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میرے شاگرد مجھ سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان حضرات

ہی کے طفیل مجھے بھی جنت میں جگہ مل جائے گی۔

اسی سال (۱۳۲۹ھ) میں ۲۰ ذی الحجہ کو میری شادی تھانہ بھون میں ہوئی۔ رفیقۂ حیات نے حضرت حکیم الامتؒ سے تعلیم حاصل کی تھی اور حضرت کی اہلیہ صغریٰ کی بڑی بہن تھیں۔ چالیس سال کی رفاقت کے بعد انتقال کر گئیں۔ غَفَرَ اللّٰہُ لَهَا وَلَنَا

۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے حج کا ارادہ فرمایا اور بظاہر ہندوستان سے ہجرت ہی کا خیال تھا۔ کیونکہ مولانا محب الدین صاحبؒ مہاجر مکی کا خط آیا تھا کہ آپ کا وقت قریب ہے، مدینے میں مرنا چاہتے ہو تو جلدی آجاؤ۔ مگر جب مولانا خلیل احمد صاحبؒ مکہ معظمہ پہنچ گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ ابھی آپ کا وقت نہیں آیا، آپ ہندوستان واپس چلے جائیں۔ یہاں انقلاب آنے والا ہے" (حکومت شریف حسین کی جگہ حکومت سعودیہ قائم ہونے پر اشارہ تھا) حضرت مولانا ۱۳۳۴ھ میں واپس تشریف لے آئے اور تالیف بذل المجهود (شرح ابی داؤد) میں مشغول ہو گئے۔

اسی زمانے میں مجھے سہارنپور کی آب و ہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سے ایک سال کی رخصت لے کر تھانہ بھون کے قریب ایک بستی میں جس کا نام گڑھی پختہ تھا، وہاں کے مدرسہ ارشاد العلوم میں قیام کرنا پڑا۔ وہاں ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری و مسلم بھی پڑھانے کی نوبت آئی۔ پھر رخصت میں توسیع کی

گئی اور ۱۳۲۸ھ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ دوبارہ حج و زیارت مدینہ کی توفیق ہوئی۔ اس سفر میں حضرت حکیم الامتؒ اہلیہ صغریٰ بھی اپنی والدہ اور والد کی معیت میں ہمارے ساتھ تھیں۔

حج سے واپسی پر میرا مستقل قیام تھانہ بھون میں ہوگیا۔ یہاں علاوہ درس و تدریس کے تالیف کا ایک شعبہ بھی میرے سپرد تھا۔ پہلے تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ کیا جو ایک حمائل کے حاشیہ پر مولوی شبیر علی صاحب تھانویؒ نے طبع کرایا ہے پھر تالیف اعلاء السنن کی خدمت بھی میرے سپرد ہوئی اور افتاء کی خدمت بھی۔

اس زمانے میں درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ صحاح ستہ اور بیضاوی شریف بھی بندہ نے یہاں پڑھائی ہیں اور حضرت حکیم الامت کے دست مبارک سے طلبہ فارغین کی دستار بندی بھی ہوتی ۔ میرے لکھے ہوئے فتاویٰ پر حضرت حکیم الامتؒ نظر ثانی فرما کر تصحیح فرماتے اور مہتم بالشان فتاویٰ کو دفتر میں نقل کرانے کی ہدایت فرماتے۔ حضرت نے میرے فتاویٰ کا نام امداد الاحکام تجویز فرمایا جو سات جلدوں کے اندر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے دفتر میں محفوظ ہے۔ اس کا کچھ حصہ رسالہ الہادی (دہلی) میں شائع بھی ہوا۔

اسی زمانے میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کی تحریکات ہندوستان میں جاری تھیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا کوئی تحریک چلانا پسند نہ تھا۔ اس لئے ان تحریکات سے الگ رہے

(حضرتؒ کے مسلک کی تائید میں مجھے "تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین" کے نام سے چند رسالے تالیف کرنے کی نوبت آئی)

اس بنا پر حضرت حکیم الامتؒ کے خلاف بڑی شورش ہوئی کہ یہ کانگریس اور خلافت کمیٹی سے الگ ہو کر حکومت انگریز کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تھانہ بھون کے مسلمانوں کو بھی مولانا کے خلاف بھڑکایا گیا اور نوبت بہ اینجا رسید کہ بعض لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ مولانا کو خانقاہِ امدادیہ سے الگ کر دیا جائے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اپنی نصرت و حمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین کو شرمندہ ہو کر مولانا کے سامنے جھکنا پڑا۔

اس زمانے میں مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند (دہلی) حضرت حکیم الامتؒ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کے لئے تشریف لائے اور خلوت میں گفتگو کرنا چاہی۔ حضرت نے فرمایا کہ ان مسائل میں آپ کی جو رائے ہے، آپ اس کا اعلان کر چکے ہیں اور میں اب تک ان تحریکات میں شریک نہیں ہوں۔ خلوت میں گفتگو کرنے سے لوگوں کو شبہ ہوگا کہ میں بھی در پردہ آپ کے موافق ہو گیا ہوں اور اس صورت میں خطرہ ہے جس کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ اس لئے جو کچھ فرمانا ہو۔ علانیہ فرمایا جائے۔

چونکہ مولانا کفایت اللہ صاحب علانیہ گفتگو پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے حضرت نے فرمایا کہ پھر یہ بہتر ہے کہ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں،

خط میں لکھ کر ڈاک سے بھیج دیجئے، میں دیانت وامانت کے ساتھ اس میں غور کروں گا۔ اگر دل نے قبول کر لیا، آپ کو اطلاع کر دوں گا۔ ورنہ خاموش رہوں گا جیسا اب تک ہوں۔ آپ میرے جواب کا انتظار نہ فرمائیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب نے خوش ہو کر فرمایا کہ ہاں، یہ صورت مناسب ہے۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحبؒ نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت تھانوی جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے۔ کانگریس میں غلبہ ہندوؤں کا ہے اور ان ہی کا حکم غالب ہے۔

۱۸۵۷ء میں بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا اور بظاہر مسلمانوں کا حکم غالب تھا مگر پھر بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا، مسلمانوں کو مجرم بنا دیا اور خود انگریز سے مل گئے۔

پھر جب مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر آزادی ہند کا مطالبہ کیا، حضرت حکیم الامتؒ نے مسلم لیگ کی تائید کی اور تنظیم المسلمین، تعلیم المسلمین، تفہیم المسلمین کے نام سے چند مضامین شائع فرمائے اور پٹنہ

میں جو مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں حضرت کی طرف سے
ایک وفد بھی قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا گیا
اور حضرت اقدس رح نے مسلم لیگ کے نام اپنا ایک پیام بھی بھیجا تھا جو
اس ناچیز نے پٹنہ کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔

مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر پہلا الیکشن جھانسی میں لڑا
تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے تار پر دریافت کیا کہ کانگریس اور مسلم لیگ
میں سے کس کو ووٹ دیا جائے؟ حضرت اقدس نے مجھے اور مولوی شبیر
علی سلمہٗ کو مشورہ کے لئے بلایا اور فرمایا کہ :۔

"مسلم لیگ اگرچہ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے مگر ابھی
تک ان مسلم لیگیوں پر بھی پورا اعتماد نہیں کہ یہ واقعی ہندوستان
کو انگریز سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور آزاد کرا کر یہاں دینِ اسلام
کو قائم بھی کریں گے یا مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ
کریں گے؟ میں اس تار کا کیا جواب دوں"؟

میں نے عرض کیا کہ کانگریس کی حمایت کے تو آپ خلاف ہیں ہی
بس یہ جواب دے دیجئے کہ کانگریس کو ووٹ نہ دو۔ فرمایا ہاں، یہ
ٹھیک ہے۔ چنانچہ یہی تار دے دیا گیا۔ جھانسی کا یہ الیکشن جیت کر مولانا
مظہر الدین صاحب شیر کوٹی (مدیر الامان) مرحوم اور شوکت علی صاحب
مرحوم تھانہ بھون تشریف لائے۔ تو کہنے لگے :۔

"مسلم لیگ کے پاس کانگریس کے برابر نہ روپیہ تھا نہ ساز و سامان

بس ہم نے آپ کے تار کو حکیم الامت مولانا تھانوی کا فتوٰی کہہ کر بڑی مقدار میں پوسٹروں کی شکل میں جا بجا تقسیم بھی کیا اور چسپاں بھی کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پولنگ پر آتے تو سُتے کانگریس کی لاریوں پر اور آپ کا فتوٰی دیکھ کر ووٹ مسلم لیگ کو دیتے تھے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیاب کر دیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی حمایت نے مسلم لیگ میں جان ڈال دی، ورنہ جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں جو کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی، مسلم لیگ کا کامیاب ہونا دشوار تھا۔ جمعیۃ علماء ہند میں علماء کثرت سے تھے۔ مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے مشاہیر بھی کانگریس کے ساتھ تھے۔

مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم) سے کسی نے پوچھا تھا کہ کانگریس کی حمایت میں تو بہت سے علماء ہیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ کون سے عالم ہیں۔ قائداعظم نے فرمایا:-

"مسلم لیگ کے ساتھ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ ہیں جو ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے ہیں مگر وہ اتنے بڑے عالم دین ہیں کہ سب علماء کا علم و تقوٰی ایک پلڑے میں رکھا جائے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ کا علم و تقدس دوسرے پلڑے میں تو مولانا کا پلّہ بھاری رہے گا۔ ہمارے واسطے ان کی حمایت بس ہے۔"

یہ واقعہ بمبئی کے سیٹھوں سے معلوم ہوا جن میں سیٹھ محمد عمر کا نام یاد ہے۔

اسی زمانے (۱۳۴۷ھ) میں بندہ نے قرآن حفظ کیا۔ درس وتدریس اور افتاء وتالیف کے مشاغل کے ساتھ چھ مہینے میں قرآن حفظ ہوگیا

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلَہُ الشُّکْرُ

۱۳۴۹ھ میں آنکھوں میں کچھ بیماری کا اثر ہوا تو طبیب نے مشورہ دیا کہ ساحلِ بحر پر قیام مفید ہوگا۔

اتفاق سے اسی زمانے میں رنگون سے حضرت حکیم الامتؒ کے بعض خدام کا خط آگیا کہ مدرسہ راندیریہ رنگون میں ناظم کی جگہ خالی ہے تنخواہ ایک سو پچھتر روپیہ ہے، کوئی صاحب اس جگہ کو پسند کریں تو ان کو بھیج دیا جائے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے طبیب نے کچھ عرصے کے لئے ساحلِ بحر پر قیام کی ضرورت ظاہر کی ہے، سال بھر کی رخصت دے دی جائے تو میں چلا جاؤں۔ حضرت نے منظور فرما لیا اور میں ایک سال کے لئے رنگون چلا گیا۔

مدرسہ راندیریہ کے نام سے یہ سمجھا تھا کہ اس میں علوم عربیہ کی تعلیم ہو گی۔ مگر وہاں جاکر معلوم ہوا کہ وہ پرائمری اسکول ہے جس میں اردو کی تعلیم چار کلاس تک ہوتی ہے اور دو قاری تعلیم قرآن اور دینیات کے لئے مقرر ہیں۔

ناظم کا کام تعلیم کی نگرانی اور ہر جمعرات کو ہائی اسکول میں وعظ کہنا ہے۔ جس میں ہائی اسکول اور پرائمری اسکول کے طلبہ اور مدرسین

سب شریک ہوتے ہیں۔

قلب پر اول اول تو گرانی ہوئی کہ میں کہاں آگیا مگر بعد میں یہ دیکھ کر قلب کو اطمینان ہوا کہ یہاں تبلیغ کی ضرورت ہے۔ کیا عجیب ہے کہ اللہ تعالٰی مجھ سے خدمتِ دین کا کام لے لیں۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر تبلیغ پر توجہ کی۔ راندیر یہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو علماء سے بہت بعد تھا مگر میرے طرزِ بیان سے بہت متاثر ہوئے اور اوقاتِ اسکول میں خود بھی نماز کے پابند ہو گئے اور دوسرے ماسٹروں کو بھی پابند بنایا۔

رنگوں میں ایک شدید پارٹی تھی جس میں پندرہ سولہ سال جوان تھے جو سب کے سب بدعتی خیال کے تھے۔ علماء دیوبند کا کوئی جلسہ یا تقریر ہو تو پتھر پھینکتے اور جلسے کو درہم برہم کر دیتے۔

اتفاق سے ایک مشن ہائی اسکول کے پادری نے اسکول کے ماہوار میگزین میں ایسا مضمون شائع کیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملے کئے گئے تھے۔ ہائی اسکول کے طلبہ وہ میگزین میرے پاس لائے اور پادری کے خلاف احتجاج کرنا چاہا۔

میں نے صدر جمعیۃ علماء برما سے مشورہ کر کے جلسہ بلایا اور اس جلسے میں شدید پارٹی کے سردار طلا محمد خان کو بھی مع جماعت کے مدعو کیا۔ علماء نے اعتراض کیا کہ ان لوگوں کو ہم نے کبھی کسی جلسے میں مدعو نہیں کیا۔ ان کو بلانا مناسب نہیں ہے۔ میں نے کہا اس جلسے کا جو مقصد ہے اس کو پورا کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا

چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور ہر مکتب خیال کے مسلمان اس میں شریک ہوئے مگر مولوی حشمت علی لکھنوی شریک نہ ہوئے جو اس وقت مجلس میلاد میں میلاد خوانی کرتے پھرتے تھے۔

جب اس جلسے میں مقررین نے اپنی اپنی تجویزیں پیش کیں تو طلا محمد خان کھڑے ہوئے اور کہا:-

"مولانا ہم یہ باتیں نہیں جانتا، ہم کو تو حکم دیجئے۔ آپ جو حکم دیں گے، اس کی تعمیل کی جائے گی۔ اگر اس ہیڈ ماسٹر گستاخ کو قتل کرنا ہے تو ہم آج ہی یہ کام انجام دیں گے۔ اسکول بند کرانا ہے تو اس کے لئے بھی ہم حاضر ہیں۔"

میں نے کہا جزاک اللہ! ہم کو آپ سے یہی امید ہے مگر پہلے ان تجاویز پر عمل کر لیا جائے جو دوسرے حضرات پیش کر رہے ہیں۔ ان سے کام نہ چلا تو پھر آپ سے کام لیا جائے گا۔"

مگر طلا محمد کے دو چھوٹے بھائی رات بھر نماز اور توبہ و استغفار میں مشغول رہے پھر اپنی بیویوں سے حقوق معاف کرا کر، پستول لے کر بڑے بھائی سے آخری ملاقات کرنے گئے تو اس نے پستول ان سے لے لئے اور کہا تم جا کر ہاتھ سے اور بید سے کام لو۔ پستول لے کر میں آ رہا ہوں۔

یہ دونوں مشن ہائی اسکول میں پہنچے اور اس ہیڈ ماسٹر گستاخ کو اس کی کلاس ہی میں للکارا اور کرسی سے گرا کر لات سے اور بید سے

خوب مارا۔ یہ خبر سُن کر بڑا پادری جو اسکول کا پرنسپل تھا، دوڑا ہوا آیا۔ چونکہ یہ دونوں بھائی اس کے لئے اجنبی نہ تھے (چھوٹا گل محمد خاں تو اسی مشن اسکول سے انٹرنس پاس ہوا تھا) کہنے لگا" ویل، گل محمد خان، کیا بات ہے؟ کہا:-

"یہ ہیڈ ماسٹر بڑا خبیث ہے۔ اس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخی کی ہے، اس کو اسکول سے نکالو اور جب تک ہمارے علما۔ اجازت نہ دیں اسکول کو بند کردو، ورنہ فساد ہو جائے گا۔"

ہیڈ ماسٹر نے گھبراہٹ میں اسکول کے بیڈ پر لکھ دیا کہ اسکول کو بند کیا جاتا ہے جب تک علماء اسلام اجازت نہ دیں گے، بند رہے گا تین دن کے بعد ہمارے پاس پرنسپل کا پرچہ آیا کہ براہ کرم اسکول کھولنے کی اجازت دی جائے۔ ہم نے چند شرائط کے بعد اجازت دے دی۔

ان میں ایک بڑی شرط یہ تھی کہ مسلمان بچے بائبل نہیں پڑھیں گے بائبل کے گھنٹے میں قرآن کریم اور تاریخ اسلام اور سیرت رسول پڑھا کریں گے۔

دوسری بڑی شرط یہ تھی کہ یہ ہیڈ ماسٹر تمام مسلمانوں سے معافی مانگے اور طلب معافی کا مضمون اپنے میگزین کے علاوہ تمام اخبارات میں جو رنگون سے نکلتے ہیں، شائع کرائے اور اپنے میگزین میں اقرار کرے

کہ جو مضمون اس نے پہلے لکھا تھا، بالکل غلط تھا۔ پیغمبر اسلام کی صحیح سوانح حیات وہ ہے جو اب شائع کی جاتی ہے
یہ شرطیں منظور کی گئیں، اور یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سوانح حیات لکھ کر سید عنایت حسین صاحب مرحوم ہیڈ ماسٹر اندیر ہائی اسکول کو دی۔ انھوں نے اس کی انگریزی بنا کر مشن ہائی اسکول کے پادری کو بھیج دی اور ہیڈ ماسٹر مشن ہائی اسکول نے معافی نامے کے ساتھ اس مضمون کو اپنی طرف سے شائع کیا۔

جب یہ مضمون انگریزی ٹائپ میں چھپ کر میرے پاس تھانہ بھون آیا (اس وقت میں تعطیل گرما میں گھر پر آیا ہوا تھا) تو میں نے خواجہ عزیزالحسن صاحب غوری سے کہا کہ ذرا یہ مضمون حضرت حکیم الامت کو ترجمہ کر کے سنا دیجیے۔

خواجہ صاحب نے یہ مضمون سنایا تو فرمایا کہ یہ پادری بڑا سمجھدار معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اس خوبی سے بیان کر رہا ہے کہ انگریزی خواں مسلمان بھی ایسا نہیں بیان کر سکتے۔

میں نے ہنس کر عرض کیا، مضمون تو میرا ہے جس کو اس نے اپنے نام سے شائع کیا ہے۔ فرمایا تم نے تو اس کو مسلمان ہی بنا دیا۔

اس پورے واقعے میں چونکہ سارا کام علماء دیوبند نے کیا، بدعتی علماء نے کچھ حصہ نہیں لیا۔ لہٰذا شیدی پارٹی کے نوجوان بگڑ گئے اور کہنے لگے "اللہ کے نام پر تحفظ ناموس رسول ؐ کے لئے جان دینے کو تو علماء

دیوبند ہیں اور میلاد پڑھ کر روپیہ لینے کو یہ بدعتی علماء رہ گئے ہیں۔

اسی ایک واقعہ سے یہ پوری جماعت بدعت سے تائب ہو کر ہمارے ساتھ ہوگئی۔ اور اب ہم لوگ جرأت کے ساتھ علانیہ تبلیغ و وعظ کرنے لگے اور جب کسی موقع پر حکومت برما نے شرعی مسائل میں مداخلت کی، ہم نے اس کو مداخلت فی الدین سے روک دیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ گورنر برما نے یہ آرڈر دیا کہ بقرعید کی قربانی صرف پہلے دن بارہ ۱۲ بجے تک ہوسکتی ہے اس کے بعد نہیں ہوسکتی ہم نے اس پر احتجاج کیا تو حکومت کو اپنا آرڈر واپس لینا پڑا۔ ہر موقع پر رشیدی پارٹی نے بڑی ہمت سے کام لیا۔

زمانۂ قیام رنگون میں بندہ نے حضرت قطب زمان سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ کے مواعظ موسومہ بہ البرھان المؤید کا ترجمہ بنام بیان المشید لکھا جو بحمد اللہ شائع ہوچکا ہے اور حضرت حکیم الامت نے بہت پسند کیا۔

اس کے بعد رسالہ القول المنصور فی ابن منصور تالیف جس کا مواد عربی میں حضرت حکیم الامت نے جمع کیا تھا۔ بندہ نے اس کے ترجمہ اور ترتیب کا کام پورا کر کے حضرت کو دکھلایا، بہت خوش ہوئے اور تقریظ میں میرے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ فللہ الحمد ولہ الشکر۔

اسی زمانے میں بعض عربی قصائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی مدح وثنا میں لکھ کر حضرتؒ کے پاس بھیجے، بہت خوش ہوئے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے ان کی فصاحت و بلاغت اور سلاست و انسجام کی تعریف کی۔

رنگون کے پاس چالیس میل کے فاصلے پر ایک بستی ڈیڈلو نام تھی۔ وہاں کے سارے مسلمان بہائی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گئے تھے۔ حاجی محمد یوسف صاحب سورتی جو رنگون کے بڑے تاجر اور حضرت حکیم الامتؒ کے مجاز صحبت اور میرے رنگون بلانے میں سب سے زیادہ ساعی تھے، اس بستی کے مسلمانوں کے ارتداد سے بہت رنجیدہ تھے۔

ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے کہ رنگون میں ماشاء اللہ، بہت علماء ہیں مگر رنگون کے قریب اس بستی کے سارے مسلمان مرتد ہو گئے۔ میں نے کہا آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام میں واپس آ جائیں؟ فرمایا، یہ تو میری عین تمنا ہے۔ میں نے کہا اس کے لئے کچھ خرچ کی ضرورت ہو گی۔ فرمایا، جتنا مجھ سے ہو سکے گا۔ اس کے لئے میں حاضر ہوں۔ بندہ نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ اس بستی میں تبلیغ شروع کی۔

اللہ نے کیا، ایک ہی سال میں سب مسلمان تائب ہو گئے صرف سترہ ۱۷ آدمی بہائی رہ گئے جن کو مرکز بہائیت امریکہ سے بڑی بڑی تنخواہیں ملتی تھیں۔ مرکز بہائیت کو اس بستی پر بڑا ناز تھا کہ ساری بستی کو ہم نے فتح کر لیا ہے مگر بحمد اللہ ان کا فخر خاک میں مل گیا اور اسلام

کو فتح کامل نصیب ہوئی۔

اسی زمانے (۱۳۴۸ھ) میں مجھے تیسری بار حج و زیارت مدینہ کی توفیق ہوئی۔ حج سے فارغ ہو کر چند روز تھانہ بھون میں قیام کر کے رنگون چلا گیا۔ اعلاء السنن کی تالیف کا کام ہر جگہ کرتا رہا مگر ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے پاس رہ کر جیسا کام ہوتا تھا ویسا پیچھے نہ ہوتا۔ اس لئے تھانہ بھون آکر اس پر دوبارہ نظرِ ثانی کرنی پڑتی تھی۔

قیام رنگون کے زمانے میں ضلع ٹانگو میں ایک بڑا فاضل پادری آیا تھا۔ جس سے وہاں کے مسلمان مرعوب تھے۔ بندہ وہاں پہنچا اور ایک دوست مولانا ولی محمد صاحب کے واسطے سے اس کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ مولانا ولی محمد صاحب انگریزی خوب بولتے تھے۔ بحمد اللہ پادری لاجواب ہو گیا۔

میں رنگون ایک سال کے لئے گیا تھا مگر تبلیغی ضرورتوں سے وہاں مجھے ڈھائی سال لگ گئے۔ پھر تھانہ بھون واپس آکر اعلاء السنن کی تالیف اور خدمت افتاء وغیرہ میں مشغول ہو گیا۔

یہ ۱۳۴۹ھ کا زمانہ تھا۔ اسی عرصے میں مولانا محمد زاہد کوثری مصری کا خط حضرت حکیم الامتؒ کے نام صحاح ستہ کی سند حاصل کرنے کے لئے آیا۔ حضرت نے ان کو سند دے دی۔

موصوف ایک زمانہ تک ترکی میں نائب شیخ الاسلام رہ چکے تھے اور مولانا اسعد ددہ سے تعلق بیعت تھا (ترکی اصطلاح میں ددہ ہی

صوفی کو کہتے ہیں جس نے دس سال کا خاص مجاہدہ پورا کر لیا ہو) مولانا اسعد اللہ کو ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بھی اجازت تھی۔

علامہ محمد زاہد کوثری نے اعلاء السنن اور مقدمۃ اعلاء السنن پر بہت عمدہ تقریظ لکھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ بہت خوش ہوتے۔ موصوف کو اس کتاب کا تعارف مولانا سید احمد رضا بجنوری اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے ذریعے سے ہوا جب یہ دونوں حضرات فیض الباری طبع کرانے کے لئے مصر تشریف لے گئے تھے۔

مولانا ابو الوفا افغانی مقیم حیدر آباد دکن نے بھی اپنے مصری احباب کو علماء ہند کی علمی تصانیف سے روشناس کرایا۔

اعلاء السنن کی تالیف میں محاذات نساء کے مسئلے میں حنفیہ کی مؤید احادیث کی تلاش میں مولانا انور شاہ صاحب کی خدمت میں دار العلوم جانا ہوا تو موصوف نے اپنی بیاض میرے حوالے کر دی جس میں حنفیہ کی مؤید احادیث کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس میں محاذات نساء کا مسئلہ تو نہ ملا، دوسرے مسائل کے دلائل بہت سے ملے جو دو دن کے قیام میں جس قدر ہو سکا قلم بند کر لئے گئے۔ مسئلہ محاذات نساء کی دلیل مجھے مجمع الزوائد میں تلاش کرنے سے مل گئی جو اعلاء السنن میں درج کی گئی۔

اسی عرصے میں میرا جانا سہارنپور ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

نے فرمایا کہ مسئلہ محاذات نساء میں تم کو کوئی واضح دلیل حدیث سے تائید حنفیہ میں ملی ہے ؟ بندہ نے عرض کیا " جی ہاں ، مجمع الزوائد میں ملی ہے پھر میں نے وہ حدیث نکال کر دکھلائی تو حضرت خوش ہوگئے اور فورًا اُس کو نوٹ کر لیا۔

حضرت اس زمانے میں بذل المجہود (شرح ابی داؤد) کی تصنیف میں مشغول تھے اور بندہ اعلاء السنن کی تالیف میں۔ اس لئے جب کبھی حاضر خدمت ہوتا، حضرت بذل کے خاص مقامات دیکھنے کی ہدایت فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ ذرا میری عربیت پر بھی نظر کر لینا جہاں خامی ہو، اطلاع دینا۔ بندہ نے عرض کیا حضرت کی عربیت کو ہم کیا دیکھیں گے ! بحمد اللہ نہایت عمدہ عربی سلف جیسی ہے ۔ فرمایا:۔

"میں یہ کتاب بطور تصنیف کے نہیں لکھ رہا ہوں ۔ بلکہ بطور املاء کے لکھوا رہا ہوں ، املاء میں خامی رہ جانا بعید نہیں۔"

غرض یہ بڑا مبارک اور پُر لطف زمانہ تھا کہ دفعتہً شوال ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے پھر سفر حرمین کا قصد فرما لیا کیونکہ مولانا محب الدین صاحب کا خط آگیا تھا کہ اب آپ کا وقت قریب ہے ۔ مدینے پہنچ جائیے ۔

حضرت نے فورًا سامان شروع کر دیا اور مولانا عبد اللطیف صاحب کو ناظم مدرسہ مظاہر علوم بنا کر پہلے مکہ معظمہ پھر مدینہ منورہ پہنچ کر بذل کی تکمیل میں مشغول ہو گئے کہ ابھی کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا۔

اس سے فارغ ہو کر اس خوشی میں احباب کا خاص اجتماع مدینہ منورہ میں کیا۔ پھر فالج کا حملہ ہو گیا جس کے بعد ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں عالم آخرت کی طرف انتقال فرما کر بقیع الغرقد میں دفن ہو گئے۔ یہ آپ کی دیرینہ آرزو تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس کے بعد کچھ تو دل پر صدمہ تھا پھر بینائی میں خلل کی بنا پر طبیب نے مشورہ دیا کہ کچھ دن ساحل بحر پر قیام مفید ہو گا۔ اس لئے سال بھر کی رخصت لے کر تھانہ بھون سے رنگون چلا گیا۔ جس کا تذکرہ اوپر کر چکا ہوں میرے قیام رنگون کے زمانے میں مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی مرحوم نے بھی اعلاء السنن کے کچھ حصے لکھے تھے۔ جب میں واپس آیا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ مولوی حبیب احمد صاحب کے لکھے ہوئے حصوں پر نظر ثانی کر دو کیونکہ ان پر علوم عقلیہ کا غلبہ ہے اور اس کتاب میں علوم نقلیہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

چنانچہ بندہ نے ان کے لکھے ہوئے حصوں پر نظر ثانی کی اور ہر حصے پر تتمات لکھے جن میں دلائل نقلیہ کا اضافہ کیا گیا۔ کچھ حصے مستقل طور پر خود بھی لکھے

اس طرح ۱۳۵۸ھ میں یہ کتاب مکمل ہو گئی جس میں ابواب الطہارت سے کتاب المواریث تک جملہ مسائل خلافیہ مشہورہ میں مذہب حنفی کی تائید کے لئے بہت بڑا ذخیرۂ حدیث جمع ہو گیا۔

اس کتاب کے گیارہ حصے مع مقدمہ حضرت حکیم الامتؒ کی حیات

ہی میں طبع ہو گئے تھے۔ بارھواں اور تیرھواں حصہ ابھی ۱۳۸۵ھ و ۱۳۸۶ھ میں طبع ہو گیا ہے۔ باقی حصے زیر طبع ہیں۔ امید ہے کہ پوری کتاب ایک دو سال میں طبع ہو کر ناظرین کے سامنے آجائے گی۔ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ جو صاحب یہ حصے طبع کرا رہے ہیں، اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

تمنا یہ ہے کہ یہ پوری کتاب عربی ٹائپ میں بھی طبع ہو جائے کہ ممالک اسلامیہ میں عربی ٹائپ ہی مقبول ہے اور یہ پوری کتاب عربی زبان میں ہے جو ممالک عربیہ اسلامیہ والے ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔ سات حصوں کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ بعد کے حصوں کا اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دیں کہ وہ بقیہ حصوں کا اردو ترجمہ بھی سات حصوں کے طرز پر شائع کر دے تو اہل ہند و پاکستان کے عوام بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ مشکوٰۃ میں فصل رابع کا اضافہ کر کے ہر باب میں اعلاء السنن کے متن سے احادیث مؤیدہ حنفیہ فصل رابع میں بڑھا دی جائیں تاکہ مشکوٰۃ پڑھنے والوں کو ہر باب میں حنفیہ کے دلائل بھی ساتھ ساتھ معلوم ہوتے رہیں۔ احادیث متن کی شرح حضرات مدرسین کو اعلاء السنن سے معلوم ہو سکے گی۔

اعلاء السنن کی تکمیل کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے احکام القرآن جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قرآن کریم سے کتنے بیشمار مسائل حنفیہ نے استنباط کئے ہیں۔ دلائلِ حدیثیہ کے بعد دلائلِ

قرآنیہ جمع ہوجائیں اور اس کے بعد مسائل اجماعیہ بھی جمع کردیئے جائیں تو مذہب حنفی میں قیاسی مسائل کی تعداد بہت کم رہ جاتی ہے۔

محدث ابن المنذرؒ کی کتاب الاشراف طبع ہوجائے تو مسائل اجماعیہ کا بڑا ذخیرہ جمع ہوجائے گا ورنہ المغنی لابن قدامہؒ سے بھی ہر باب میں مسائل اجماعیہ معلوم ہوسکتے ہیں۔

بندہ نے کتاب احکام القرآن سورۂ آل عمران تک لکھی تھی کہ میرے استاد بحر العلوم مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی کا موٹر کے حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ڈھاکہ یونیورسٹی میں ان کی جگہ بعض احباب نے مجھے بلانے کی تحریک کی، چونکہ اس وقت تھانہ بھون میں مکان بنانے کی وجہ سے میرے ذمہ قرض بہت ہوگیا تھا اور یونیورسٹی میں تنخواہ معقول تھی اس لئے میں نے حضرت حکیم الامتؒ سے اس جگہ پر جانے کی اجازت چاہی (کاش میں اس کا ارادہ نہ کرتا) حضرت نے اجازت دے دی اور میں ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں تھانہ بھون سے ایک سال کی رخصت لے کر ڈھاکہ روانہ ہوگیا۔

یونیورسٹی میں میرے سپرد ہدایہ، بخاری شریف، مسلم شریف اور کتاب التوحید کے اسباق تھے۔ کبھی کبھی تقریر بھی کرنا پڑتی تھی۔

یونیورسٹی کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم (ڈھاکہ) میں بھی جو میرے احباب نے میری سرپرستی میں قائم کیا تھا، موطا، بیضاوی اور مثنوی

وغیرہ کا درس بھی بلا معاوضہ میں نے اپنے ذمے کر لیا تھا۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر شہید اللہ صاحب، ڈاکٹر سراج الحسن صاحب اور ڈاکٹر جیلانی صاحب اسی زمانے کے میرے شاگرد ہیں۔ مدرسہ اشرف العلوم کے اکثر مدرسین نے بھی موطا امام مالکؒ اور مثنوی مولانا رومؒ میرے پاس پڑھی ہیں۔

ڈھاکہ یونیورسٹی کا امتحانِ دینیات بیرونی علماء لیا کرتے تھے۔ ایک بار مولانا سید سلیمان صاحبؒ ندوی نے میری جماعت کا امتحان دینیات تحریری لیا۔ میرے طلبہ کے جوابات دیکھ کر مولانا بہت خوش ہوتے اور ایک خط میں مجھے لکھا کہ :۔

"میں نے الٰہ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ کا بھی امتحانِ دینیات لیا ہے مگر جیسے جوابات آپ کی جماعت نے لکھے، کسی یونیورسٹی کے طلبہ نے نہیں لکھے۔ اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ بعض طلبہ نے عربی میں جواب لکھے، ان کی عربی بھی اچھی تھی۔"

ڈھاکہ کے زمانہ قیام میں اکثر اطرافِ بنگال سے مجھے وعظ و تقریر کے لئے بلایا جاتا تھا۔ بحمد اللہ ہر جگہ لوگوں میں خاص اثر ہوا۔ مدارس عربیہ بنگال، ہاٹ ہزاری وغیرہ کے سالانہ جلسوں میں بھی مدعو کیا جاتا اور میں ضرور شرکت کرتا اور عوام و خواص جلسے میں

میرے جانے سے بہت خوش ہوتے تھے۔

خود ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی بعض پروفیسر باوجود مسلمان ہونے کے بعض عقائد اسلامیہ میں تذبذب کا شکار تھے۔ ان کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔

بعض ہندو پروفیسر جو تاریخ و فلسفہ اور سائنس پڑھاتے تھے بعض دفعہ تعلیمات اسلام پر اعتراض کرتے تو طلبہ میرے پاس شکایت لاتے اور میں اپنی تقریروں میں ان کو تنبیہ کرتا تھا کہ اگر کسی کو اپنے علم کا دعوٰی ہے اور اسلام کی تعلیم پر اعتراض ہے، وہ مجھ سے گفتگو کرے، طلبہ کو کس لئے پریشان کیا جاتا ہے؟ طلبہ کا علم ابھی ناقص ہے اور وہ جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس کے بعد کسی ہندو پروفیسر کو اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) میں بندہ تعطیل گزارنے تھانہ بھون گیا تو حضرت حکیم الامت کو بھوک ساقط ہو جانے اور دست بڑھ جانے کی شکایت تھی جس سے ضعف بڑھ گیا تھا مگر سہارنپور اپنے خاص معالج کے پاس چار پانچ روز قیام کرنے سے کچھ فائدہ ہوا کہ واپس تشریف لا کر زنانہ مکان کے متصل ایک نشست گاہ میں ظہر سے عصر تک مجلس قائم کرنے لگے جس میں خاص احباب اور بیرونی مہمان حضرت کے ملفوظات سے مستفید ہوتے تھے (اس سے پہلے مکان سے باہر آنا بھی دشوار تھا، گھر میں خاص احباب کو بلا لیا جاتا اور کچھ دیر باتیں

ہو جائیں ،

یہ حالت دیکھ کر میں آخر جون میں واپس ڈھاکہ آگیا مگر جولائی میں میرے گھر والوں کا خط آیا کہ حضرت کی حالت پھر غیر ہوگئی ہے ، آپ جلد آجائیں ۔

میں نے اس خط پر زیادہ خیال نہ کیا کیونکہ ابھی تو میں اچھا چھوڑ کر آیا تھا ۔ مستورات کا دل نرم ہوتا ہے ، شاید معمولی تغیر سے گھبرا گئی ہوں مگر رات کو خواب دیکھا کہ :۔

"میں تھانہ بھون گیا اور حضرت سے ملا تو حضرت مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا "الحمدللہ میری نمازِ جنازہ پڑھانے والا آگیا "

اس خواب سے میں گھبرا گیا اور شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا " آپ ابھی تھانہ بھون روانہ ہو جائیں دیر نہ کریں " میں نے کہا اتنی جلدی ڈھاکہ یونیورسٹی سے چھٹی ملنا آسان نہیں ۔ فرمایا " آپ درخواست لکھ کر میرے حوالے کر دیں ، میں سب کام کر دوں گا "۔

چنانچہ میں نے جلد ہی روانگی کا ارادہ کیا ۔ اس خواب کا تذکرہ حکیم صاحب موصوف کے علاوہ دو حضرات سے اور کر دیا تھا ، وہ بھی میرے ساتھ تھانہ بھون چلنے کو تیار ہوگئے ۔ میں نے اس شرط پر اپنے ساتھ لے جانا منظور کیا کہ اس خواب کا تذکرہ وہاں کسی سے نہ

کریں (خواہ مخواہ اعزہ واحباب کو پریشانی ہو گی)
چنانچہ میں اگلے دن تھانہ بھون کے لئے روانہ ہو گیا۔ تیسرے دن حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت بہت خوش ہوتے فرمایا:۔
"کتنی رخصت لے کر آتے ہو" عرض کیا ایک ماہ کی۔ فرمایا:۔
"بہت تھوڑی ہے" عرض کیا بعد میں توسیع کرالی جائے گی۔ فرمایا:۔
"بہت اچھا"
مگر مجھے حاضرِ خدمت ہوتے دس ہی دن ہوئے تھے کہ حضرت نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور توسیع رخصت کی ضرورت نہ رہی۔
اس دن احقر ہمہ تن حضرت کی خدمت وتیمار داری میں مشغول رہا۔ بعض حضرات جو چھ مہینے، سال بھر سے تیمار داری کی خدمت بجالا رہے تھے، عین انتقال کے وقت موجود نہ تھے۔ آخری خدمت اللہ تعالٰے نے بندہ کے لئے مقدر کی تھی۔
سورۂ یٰسٓ میں نے پڑھی اور حالتِ نزع میں آبِ زمزم میں شہد ملا کر چمچے سے بار بار پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
انتقال عشاء کے وقت شب سہ شنبہ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ میں ہوا سب خدام نمازِ عشاء کو گئے ہوئے تھے۔ میں نے مولانا والی مسجد میں اول وقت اذان دلا کر جلد ہی جماعت سے نماز پڑھ لی اور جلد ہی حاضرِ خدمت ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ حضرت نے مجھے پکارا بھی تھا۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کسی خاص کام کے لئے بلایا تھا؟ فرمایا:۔ ہاں!

"میری جان نکل رہی ہے"

بندہ نے سر قبلہ رُخ کر کے سورۃ یٰسٓ پڑھنی شروع کی اور آبِ زمزم میں شہد ملا کر پلاتا رہا۔

رات ہی کو بجلی کی طرح خبر شہر میں اور آس پاس کے دیہات میں پھیل گئی۔ رات کی ریل سے سہارنپور جانے والوں نے وہاں بھی خبر پہنچا دی۔ اس لئے کفن دفن کو صبح پر موقوف رکھا گیا۔

صبح کے بعد سے ہر گاڑی میں لوگ شرکتِ نمازِ جنازہ کے لئے آرہے تھے۔ بارہ بجے دن کے سہارنپور سے گاڑی آئی تو اس میں علماء مظاہر علوم کی بڑی جماعت تھی۔

زوالِ آفتاب کے بعد حضرتؒ کے چھوٹے بھائی جناب ماموں منشی مظہر علی صاحب نے، کہ وہی ولی تھے، مجھے آواز دی کہ مولوی ظفر نمازِ جنازہ پڑھاؤ، اب دیر کی ضرورت نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ حضرات علماء مظاہر علوم بھی موجود ہیں، ان میں سے کسی کو اس خدمت کے لئے تجویز کیا جائے۔ فرمایا:۔

"نہیں، تم ہی نماز پڑھاؤ"

اب مجھے اپنا خواب پیشِ نظر ہو گیا کہ مجھے تو ڈھاکہ سے بلایا ہی اس کام کے لئے گیا ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھاؤں۔ اس لئے آگے

بڑھ گیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ اب میں نے احباب کو اجازت دے دی کہ میرا وہ خواب بیان کر سکتے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے دو دن پہلے ایک تحریر بھی بندہ کو دی تھی۔ حالانکہ ہاتھوں میں لکھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس میں لکھا تھا:

"هنيئا لكم النموذج اية وجعلناها وابنها اية للعلمين"

یہ تحریر دے کر فرمایا کہ:۔

"پڑھ لیا اور سمجھ لیا؟"

عرض کیا کہ پہلا لفظ نہیں پڑھا گیا۔ فرمایا هنيئا لكم (مبارکباد) عرض کیا "بس اب سمجھ گیا" اور اس نعمت پر سجدہ شکر بجالایا۔

حضرتؒ کے انتقال کے بعد دس دن تھانہ بھون قیام کر کے ڈھاکہ روانہ ہو گیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ دینیات سید معظم حسین صاحب نے میرے پہنچنے پر جلسہ منعقد کیا اور حضرت حکیم الامتؒ کی مختصر سوانح اور تجدیدی کارناموں پر تقریر کی درخواست کی۔ میں نے ایک گھنٹے تک حضرت کے حالات اور کمالات بیان کئے۔ پھر دوسرے حضرات نے اسی موضوع پر تقریریں کیں اور حضرتؒ کو خراج عقیدت پیش کیا۔

یہ جولائی ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت مسلم لیگ مطالبۂ پاکستان پر جمی ہوئی تھی اور حکیم الامتؒ کی جماعت اس کی حمایت کر

ہی تھی۔ پھر یہ رائے ہوئی کہ مطالبہ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیئے۔ جمعیۃ علماء ہند کانگریس کے ساتھ تھی۔

ہم نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی۔ چار دن تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ لوگوں کا بیان تھا کہ خلافت کانفرنس (کلکتہ) کے بعد ایسا اجلاس کلکتے میں کبھی نہیں ہوا۔

اس اجلاس میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر مرکزی منتخب کیا گیا۔ حضرت مولانا اس وقت علیل تھے۔ اس لئے کلکتے تشریف نہ لا سکے مگر اپنا ایک پیام مولانا ظہور احمد دیوبندی کے ہاتھ اجلاس میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

اسی پیام کو سنانے کے بعد میں نے تحریک کی کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر جمعیۃ علماء اسلام منتخب کیا جائے سب نے بالاتفاق اس کی تائید کی۔ اس قرارداد کو لے کر میں دیوبند حاضر ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا:۔

"کہ بھائی! میں تو سولہ مہینے سے صاحب فراش ہوں مجھ میں سفر کی ہمت کہاں؟ اور اس کے لئے صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریر کرنا ہوگی، جیسا کہ مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند جابجا جلسے کرتے اور مطالبہ پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے ہیں۔"

میں نے عرض کیا، "آپ صدارت قبول فرمالیں، کام کی ذمہ داری

میں اپنے سر لیتا ہوں۔" مولانا خوش ہوتے اور صدارت قبول فرما کر جمعیتہ علماء اسلام کی بنیاد مضبوط کر دی۔

اب میں نے پاکستان الیکشن کے سلسلے میں طوفانی دورہ شروع کیا جس میں تقریباً چار مہینے تک پورے ہندوستان کا مسلسل سفر کیا کہ ایک قدم یو۔ پی۔ میں تھا تو دوسرا بہار میں، کبھی بنگال میں تھا تو کبھی پنجاب و سرحد میں، کبھی سندھ میں تو کبھی بمبئی میں۔

ہر روز جلسہ ہوتا تھا۔ صبح کو کسی جگہ، شام کو کسی جگہ، عشاء کے بعد کسی اور جگہ۔ میرے اس دورے کی خبریں خطوط و اخبارات سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو ملتی رہتی تھیں۔

جب میں اسی زمانے میں ایک بار دیوبند پہنچا تو خوش ہو کر فرمایا:

"ہمیں یہ امید نہ تھی کہ آپ اس جفا کشی سے کام کریں گے واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیئے۔"

یہ دورہ کیسا کامیاب رہا؟ اس کے لئے نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم وزیر اعظم پاکستان کا مکتوب گرامی نقل کر دینا کافی ہے جو موصوف نے دفتر مرکزی مسلم لیگ سے میرے نام ڈھاکہ بھیجا تھا۔

نمبر ۵۰۵۰ ، ۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء۔ دہلی

محترم المقام زاد اللہ مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط

نہ لکھ سکا ۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلے میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی۔

آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدانِ عمل میں اس سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں سے ہماری ملّی جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا۔

آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دئے ہیں۔ بہرحال اس سے بھی سخت معرکہ سامنے ہے (مراد صوبائی انتخابات)

ہمیں اللہ کے فضل سے قوی امید ہے کہ دشمنانِ ملت اس معرکے میں بھی خاسر و نامراد ہی رہیں گے۔

امید ہے کہ اس عرصے کے لئے آپ کو رخصت مل جائے گی اور آپ کی تحریروں، تقریروں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ حد تک ختم کر سکیں گی۔

والسلام مع الاکرام

لیاقت علی خان"

یہ اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم تھا کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر جمعیۃ علماء اسلام بننے کے بعد رو بصحت ہوگئے کہ اب انہوں نے دیوبند، میرٹھ، دہلی وغیرہ میں پاکستان حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو جوشیلے انداز میں تیار کیا۔

صوبائی الیکشن کی جد وجہد میں آپ نے بمبئی، لاہور اور پشاور تک متعدد جلسوں میں صدارت کی اور اپنی تقریروں سے مسلمانوں کو پاکستان کے لئے ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔

مرکزی اسمبلی انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصدی کامیابی ہوئی تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوتے۔ کلکتے میں بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع ہوا۔ مجھے بھی ڈھاکے سے اس جلسے کے لئے بلایا گیا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم اور شہید سہروردی مرحوم نے تقریریں کیں۔ مجھے بھی اس جلسے سے خطاب کرنے کو کہا گیا۔

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی سے انگریز اور کانگریس مطالبۂ پاکستان کو ماننے پر مجبور ہوگئے مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائد اعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ رجون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا، تاکہ اس طرح کا پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے اس اجلاس میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو اور مجھے

بھی بلایا گیا تھا۔ مولانا کے ساتھ مولانا محمد طاہر صاحب بھی تھے۔ جلسے میں مختلف انداز پر تقریریں ہوئیں۔ حسرت موہانی صاحب اس قسم کا پاکستان منظور کرنے کے حق میں نہ تھے مگر قائداعظم نے فرمایا:۔

"اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا۔ میری رائے ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔"

سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے۔ قائداعظم نے اس کو بھی منظور کیا۔

اس جلسے میں خاکسار جماعت نے کچھ گڑبڑ کرنا چاہی تھی مگر مسلم لیگ کے رضاکاروں نے ان کو جلسے میں آنے کا موقع نہ دیا۔

قراردادِ پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ر جون ۱۹۴۷ء کو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور یہ ناچیز قائداعظم سے ان کی کوٹھی پر ملے۔ اس وقت ان کے سیکرٹری کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

ہم نے سوال کیا کہ آپ ۱۴ر اگست کو پاکستان لینا چاہتے ہیں جس میں صرف دو ۲ مہینے باقی ہیں۔ دو مہینے میں تو ایک گاؤں بھی پوری طرح تقسیم نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کو آپ کیسے تقسیم کر لیں گے؟ ہمیں اندیشہ ہے کہ ۱۴ر اگست کو آپ کے ہاتھ میں صرف پاکستان کی دستاویز ہوگی، نہ خزانہ ہوگا، نہ فوج اور نہ اسلحہ۔ فرمایا:۔

"لارڈ ماؤنٹ بیٹن بہت جلدی کر رہا ہے۔ ۱۴ اگست تک تقسیم کا کام مکمل ہو جائے گا۔"

ہم نے کہا :۔

"پھر پاکستان بننے کے بعد ان مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا جو ہندوستان میں رہ جائیں گے ؟ ہمارے خیال میں آپ دو، ڈھائی سال تک دہلی نہ چھوڑیں تاکہ اس مدت میں پاکستان کی تقسیم مکمل ہو کر ہر چیز اپنے حصے کی آپ حکومت ہند سے وصول کر لیں اور ہندوستانی مسلمانوں کو بھی آپ کے قیام دہلی سے بڑی ڈھارس بندھے گی۔"

فرمایا :۔

"جیسے ہندوستان میں مسلمان رہیں گے، پاکستان میں ہندو ہوں گے۔ ان کے خیال سے حکومت ہند مسلمانوں پر ظلم و تشدد روا نہ رکھے گی۔"

ہم نے کہا :۔

"حکومت ہند جانتی ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی روایات کے پابند ہیں، وہ ان مسلمانوں کا بدلہ جو ہندوستان میں رہیں گے، پاکستانی ہندوؤں سے نہیں لیں گے۔"

فرمایا :۔

"مجھے ان مسلمانوں پر کوئی اندیشہ نہیں جو ہندوستان میں رہ

جائیں گے۔"

اس کے بعد فرمانے لگے :۔

"مجھے سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔"

ہم نے کہا :۔

"آپ چاہتے ہیں کہ اس ریفرنڈم میں مسلم لیگ کامیاب ہو؟"

فرمایا :۔

"میں کیسے نہ چاہوں گا؟ سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا جیسے چائے، ناریل وغیرہ۔"

ہم نے کہا :۔

"پھر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئین ہوگا۔ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور مسلم لیگ ہی کامیاب ہوگی، انشاء اللہ۔"

فرمایا :۔

"جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو آئینِ اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔"

ہم نے کہا :۔

"ترکی میں بھی تو مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر مصطفےٰ کمال پاشا نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا۔ بعض لوگوں کو

مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔ سرحد تک کا علاقہ بہت سخت ہے۔ وہاں کے علماء و عوام اس وقت تک مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں گے جب تک نظام اسلامی جاری کرنے کا وعدہ نہ کیا جائے۔"

فرمایا:-

"آپ اپنی تقریروں میں میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ میں ابھی اس قسم کی تحریر اس لئے نہیں دے سکتا کہ فتنہ پرور ہندو اس کا یہ مطلب بیان کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کو مسلمان بنایا جائے گا۔ پاکستان بن جائے اور جمہوری طریقے پر اسمبلی میں اکثریت و اقلیت دونوں کے نمائندے آ جائیں تو اس کو پختگی کے ساتھ واضح کر دیا جائے گا کہ آئین تو اسلامی ہوگا مگر آئینِ اسلام میں ہر فرقے کو مذہبی آزادی ہوگی۔ میں نے قوم کو کبھی دھوکہ نہیں دیا، میری بات کا یقین کیجئے۔"

ہم نے شکریہ ادا کیا اور مصافحہ کر کے رخصت ہوتے اور طے پایا کہ سلہٹ ریفرنڈم کے لئے کام کروں گا اور سرحد ریفرنڈم کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دورہ کریں گے۔

چنانچہ میں نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جا کر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ مگر سلہٹ میں

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے شاگرد اور مرید بہت زیادہ تھے
مولانا ہر سال رمضان بھی وہاں گزارا کرتے تھے، اس لئے جمعیۃ علماء
ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔

احباب کے خطوط آئے کہ آپ کا پہنچنا ضروری ہے، زمین بہت
سخت ہے۔ ادھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خاں کا تار
پہنچا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کو بہت جلد سلہٹ بھیج دیا جائے۔ میں اس
وقت تھانہ بھون میں تھا۔ وہاں بھی تار پر تار آئے تو میں تھانہ بھون سے
ڈھاکے اور ڈھاکے سے سلہٹ پہنچا۔

اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے۔ اسی وقت شاہ
جلال رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بھی تھا، لاکھوں آدمی عرس میں آئے ہوئے
تھے، مسلم لیگ نے حضرت شاہ جلالؒ کی مسجد میں جلسے کا انتظام
کیا۔ ساٹھ ستر لاوڈ سپیکر لگائے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے
عشاء کے بعد میں نے اول حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ
خوانی کی پھر جلسے کا افتتاح ہوا۔

میں نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا
دلائل سے ثابت کیا اور بتلایا کہ جس حصے کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو
دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا
جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے، تھوڑے
حصے کو دارالاسلام بنانا بیکار ہے۔ یہ اس لئے غلط ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکۂ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا تھا، مکہ کو دارالحرب رہنے دیا کیونکہ مدینے کو دار الاسلام بنانا آسان تھا۔ مکہ کو اس وقت دارالاسلام بنانا دشوار تھا۔ بعد میں مکہ کو بھی دارالاسلام بنا دیا، جب وہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے۔

اسی طرح ہم بھی پہلے اسی حصے کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں جو آسانی سے بن سکتا ہے، پھر باقی حصے کو بھی دیکھا جائیگا۔

اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔ علماء سے میں نے کہہ دیا کہ عوام سے نہ الجھیئے۔ آپ کو جو اشکال و اعتراض ہو۔ اس کا جواب دینے کو میں حاضر ہوں۔ اب علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد چند مقامات کا دورہ کیا جو سلہٹ کے ملحقات میں تھے۔ اس دورے میں حضرت مولانا سہول صاحب عثمانی بھی میرے ساتھ تھے۔ وہ خوش ہو کر فرمانے لگے :۔

"الحمدللہ، پاکستان کے بنانے میں عثمانیوں کا زیادہ ہاتھ ہے: آپ بھی عثمانی ہیں۔ میں بھی عثمانی ہوں اور مولانا شبیر احمد صاحب بھی عثمانی ہیں۔ بقیہ علماء عثمانیوں کی تائید میں ہیں"

میں نے کہا :۔

"دعا کیجیئے کہ سلہٹ اور سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں ہو جائے"

فرمایا:-

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا"

میں پولنگ کے دن تک سلہٹ میں مقیم رہا جس دن پولنگ شروع ہوا، میں نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہوکر لیٹ گیا تو غنودگی کی حالت میں دیکھا کہ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو پولنگ اسٹیشن پر گیا تو دیکھا کہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں

"جمعیۃ علماء، مسلم لیگ بھائی بھائی"

میں نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ خواب سچا ہوگیا۔ شام کو پولنگ اسٹیشن سے مجھے اطلاع دی گئی کہ مسلم لیگ پچاس ہزار ووٹ سے جیت گئی۔ میں نے شکرانے کی نفلیں پڑھیں پھر ڈھاکے روانہ ہوگیا۔

اسکولوں، کالجوں اور مدرسہ عالیہ کے طلبہ نے ریل کے انجن کو پھولوں کے ہار پہنائے اور برابر:-

"پاکستان زندہ باد، مسلم لیگ جیت گئی، کانگریس ہار گئی"

"سلہٹ پاکستان کا ہے"

نعرے لگاتے ہوئے ڈھاکے پہنچ گئے۔ ڈھاکے میں بھی اسٹیشن پر بہت سے مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ لوگوں نے ہمیں ہار پہنانا چاہے۔ ہم نے ہاتھوں میں لے لئے۔

میں نے اس کامیابی پر نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارکباد دی
انہوں نے جواب دیا کہ اس مبارکباد کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔
حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائد اعظم کو مبارکباد دی۔ انہوں نے بھی جواب میں یہی فرمایا:۔

"مولانا، اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں۔ یہ ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی"

بحمداللہ اب پاکستان بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی چنانچہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ قائد اعظم نے کراچی میں اس نئی مملکت اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو منتخب فرمایا اور ڈھاکے میں وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان خواجہ ناظم الدین مرحوم نے اس احقر کے ہاتھوں پرچم کشائی کرائی۔

میں نے موقع کے مناسب إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ اور چند آیات اور تلاوت کیں۔ تمام وزراء و عمائد مسلم لیگ اور عمائد شہر خاموش باادب سنتے رہے۔ پھر بسم اللہ کر کے میں نے پرچم پاکستان لہرایا۔ بعض حاضرین نے بندوقوں سے فائر کئے۔ توپ خانے سے سلامی

کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی بندہ مع جماعت علماء کے شریک تھا۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ لال باغ جامع مسجد میں احقر نے نماز جمعہ سے پہلے مختصر تقریر کی۔ خواجہ ناظم الدین بھی اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنی تقریر میں حصول پاکستان کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ بھی بتلایا کہ پاکستان جس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے اس کو پورا کریں۔

پاکستان میں ارباب حکومت آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں قحبہ خانوں، سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق و اتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں

فوج اور پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں اور انہیں خدمت قوم و حفاظت دار الاسلام کے لئے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں۔ خفیہ پولیس مستحکم ہو۔ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہوگی۔

خواجہ ناظم الدین صاحب اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے اور بڑے متاثر ہوئے۔ قائد اعظم کے نام بھی میں نے اسی قسم کی ہدایات کا خط لکھا جو رسالہ " تعمیر پاکستان میں علماء کرام کا حصہ " (مولفہ منشی عبد الرحمٰن جہلک ملتان) میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۴۸ء میں قائداعظم مشرقی پاکستان کے دورے پر گئے تو ڈھاکے کے ہر جلسے میں مجھے بلایا گیا اور میری کرسی قائداعظم کے پاس ہوتی تھی۔ ایک موقع پر میں نے خاص ملاقات کے لئے وقت مانگا تو ۱۱ بجے دن کے مجھے وقت دیا گیا۔

چنانچہ میں اپنے سکرٹری مولانا دین محمد خان صاحب مفتی ڈھاکہ کے ساتھ گورنر ہاؤس گیا جہاں قائداعظم کا قیام تھا۔ اس وقت قائداعظم کمرے میں تنہا تھے۔ باہر برآمدے میں خواجہ ناظم الدین صاحب اور ایک فوجی افسر ٹہل رہے تھے۔ قائداعظم نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ:۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا:۔

"کہ جون ۱۹۴۷ء میں اجلاس مسلم لیگ (دہلی) کے موقع پر ہم نے جو عرض کیا تھا کہ دو مہینے میں تو گاؤں بھی تقسیم نہیں ہو سکتا، پورا ہندوستان کیونکر تقسیم ہوگا؟ آپ دو سال تک دہلی میں قیام پذیر رہیں، پاکستان کا پورا حصہ وصول کر کے کراچی تشریف لے جائیں ورنہ خطرہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں پاکستان کی کاغذی دستاویز ہوگی اور کچھ نہ ہوگا۔

ہمارا خیال درست نکلا کہ پاکستان بنتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم اور ان کا قتل عام شروع ہو گیا اور پاکستان کے پاس نہ فوج تھی نہ اسلحہ جو اس ظلم کا انتقام لیتا۔ ہم

نے پاکستان اس لئے نہیں بنایا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اس طرح ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہیں۔ پھر آئینِ اسلام بھی جاری ہو جاتا تو یہ ساری ہی قربانیاں گوارا تھیں:

(مع) متاعِ جانِ جاناں، جان دینے پر بھی سستی ہے!

مگر اب تک آئینِ اسلام بھی جاری نہیں ہوا، جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بنا پر ہی یوپی اور بہار وغیرہ کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے ووٹ دیئے تھے ورنہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان سے ان کو کچھ دنیوی نفع نہ پہنچے گا۔ وہ ہندوستان ہی کے ماتحت رہیں گے۔ مگر ان کو خوشی اس کی تھی کہ نئی اسلامی مملکت دنیا کے نقشے پر نمودار ہوگی جس کا آئین اسلامی ہوگا۔"

فرمایا:۔

"آپ کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے؟"

عرض کیا:۔

"جی ہاں، مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا"

فرمایا:۔

"بات یہ ہے کہ مجھے یہ تو خطرہ ضرور تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں کچھ نہ کچھ فساد ہوگا مگر خیال یہ تھا کہ وہ ایسا ہوگا جیسا اکثر بقر عید کے موقع پر ہوا کرتا ہے جس میں مسلمان

کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ یہ مجھے بالکل امید نہ تھی کہ ہندوستانی حاکموں کو باؤلا کتا کاٹ جائے گا کہ وہ بھی بلوائیوں کا ساتھ دیں گے، فوج بھی مسلمانوں کو نہ بچائے گی اور یہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریز ہو کر اس طرح آنکھیں بند کر کے تماشا دیکھتا رہے گا گویا کچھ ہوا ہی نہیں!

اس وقت پاکستان کے حصے کی فوج پاکستان میں نہ تھی، باہر تھی، اس لئے میرے پاس اس کے سوا اور کوئی صورت امداد کی نہ تھی کہ دُوَلِ یورپ سے احتجاج کیا تو خدا خدا کر کے یہ قتل عام بند ہوا۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ ہندو ظالموں سے اس ظلم کا انتقام لیا جائے گا۔ ذرا پاکستان مضبوط ہو جائے، اور اس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے (اس وقت کشمیر میں جنگ ہو رہی تھی جس میں ہندو اور سکھ بہت مارے گئے تھے۔ اس کی طرف اشارہ تھا)

ہندوستانی حکومت نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا تاکہ پاکستان کی معیشت پر بار پڑے اور سرمایہ دار ہندوؤں کو یہاں سے بلا لیا تاکہ پاکستان کی اقتصادی قوت مفلوج ہو جائے، مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا کہ پاکستان ان مصائب سے دوچار ہو کر کمزور نہیں ہوا بلکہ

مضبوط تر ہو گیا۔

آئینِ اسلامی کے جاری ہونے میں بھی اس لئے دیر ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی ان مسلمانوں کی آباد کاری پر توجہ زیادہ دینی پڑی جو ہندوستان سے یہاں آرہے تھے۔ اب ذرا اس طرف سے اطمینان ہوا ہے تو انشاء اللہ بہت جلد آئینِ پاکستان، اسلامی آئین کی صورت میں مکمل ہو جائے گا۔

قائد اعظم کی عمر نے وفا نہ کی کہ وہ اپنے سامنے اسلامی آئین پیش کر دیتے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو پاکستان کا آئین اسلامی ہوتا کیونکہ وہ اپنی تقاریر میں بارہا اس کی وضاحت فرما چکے تھے۔

قائد اعظم کی اچانک وفات سے پاکستان کے ایک انتہائی قلیل مگر با اختیار طبقے نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اسلام کے اصولوں کو اس زمانے میں ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے پاکستان کو لادینی ریاست (سیکولر اسٹیٹ) بنانے پر زور دیا۔

یہ دستوری کشمکش اس وقت کم ہوئی جب مارچ ۱۹۴۹ء میں وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے دستور ساز اسمبلی سے قراردادِ مقاصد منظور کرا کے اس بحث کو ختم کر دیا۔

اس قرارداد کے مطابق پاکستان میں اسلامی دستور کا نفاذ آئینی طور پر طے ہو گیا۔ قراردادِ مقاصد کے منظور کرانے میں حضرت مولانا

شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی سعیٔ بلیغ کو بہت بڑا دخل تھا۔

حضرت مرحوم نے اس کے لئے فروری ۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ، چاٹگام وغیرہ میں بڑے بڑے جلسے ہوئے جن میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ان میں طے کیا گیا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا، غیر اسلامی آئین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

اس دورے کے بعد جب مولانا کراچی واپس آئے اور دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مارچ ۴۹ء میں ہوا تو قراردادِ مقاصد منظور کر لی گئی۔ مولانا کا مکتوب میرے نام ڈھاکے آیا، اس میں تصریح تھی کہ قراردادِ مقاصد کے پاس کرانے میں مشرقی پاکستان کے جلسوں کی قراردادوں کا بڑا اثر ہوا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا نے اسمبلی میں جو تقریر فرمائی، وہ بھی بے نظیر تھی۔ اس کا بھی بہت اثر ہوا۔

قراردادِ مقاصد کے پاس ہونے سے تمام عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ پاکستان اسمبلی کو اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۱۹۴۸ء میں میرا تعلق مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) سے ہوگیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اگست ۱۹۴۹ء مطابق شوال ۱۳۶۸ھ میں حکومتِ پاکستان نے حکومتِ سعودیہ عربیہ کی طرف وفد خیر سگالی بھیجنا چاہا جس میں حضرت

"

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا نام بھی طے ہوا تھا مگر مولانا پر فالج کا دورہ پڑ گیا تو ان کی جگہ مجھے اس وفد میں شامل کیا گیا۔

اس وفد کے کارناموں کی پوری تفصیل ماہنامہ "ندائے حرم" (کراچی) میں بصورت سفر نامۂ حجاز (حصہ دوم) قسط وار شائع ہو چکی ہے۔ ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔

اس سفر میں سلطان عبد العزیز بن سعود مرحوم سے بار بار ملاقات ہوئی۔ مرحوم نے پاکستان کے قیام پر بڑی خوشی ظاہر کی۔ موجودہ سلطان امیر فیصل سے بھی ملاقات ہوئی۔ وزیر مالیات عبد اللہ بن سلیمان، شیخ الاسلام اور دیگر علمائے کرام سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

مکہ معظمہ میں علامہ سید علوی مالکی سے مل کر میں بہت متاثر ہوا جوان عالم ہیں مگر علوم شرعیہ میں بڑی دستگاہ ہے۔ ان سے اکثر مسائل میں گفتگو رہتی تھی۔ ان کو مجھ سے محبت ہو گئی اور مجھے ان سے الفت، حرم مکی میں حدیث کا درس دیتے ہیں اور بڑی اچھی عربی بولتے ہیں بہت سی گراں مایہ تصانیف کے مصنف ہیں۔

اسی سال حکومت ہند نے بھی اپنا ایک وفد خیر سگالی سعودی عرب کی طرف بھیجا تھا مگر اس کی وہاں پذیرائی نہیں ہوئی جب کہ وفد پاکستان کو ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور تمام عالم اسلام کے علماء و عمائد نے اس سے ملاقاتیں کیں اور پاکستان کے قیام پر بہت خوشی ظاہر کی (تفصیل میرے سفر نامۂ حجاز میں ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے)

سفرِ حجاز سے واپس ہوا تو میری اہلیہ ہندوستان سے اس حال میں واپس ہوئیں کہ ان کو روزانہ بخار آتا تھا جو بعد میں تپ دق ثابت ہوا۔ بہت کچھ علاج معالجہ ہوا مگر صحت نہ ہوئی۔ محرم سنہ ۱۳۷۰ھ (سنہ ۱۹۵۰ء) میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یغفر اللہ لنا ولہا ویرحمنا وایاہا ویدخلنا وایاہا الجنۃ۔ آمین!

میں اس وقت مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) میں مدرس اول تھا اور اپنی تقاریر میں دستورِ اسلامی کے جلد نافذ کیے جانے کی حکومتِ پاکستان کو تاکید کر رہا تھا۔

وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہ کیا تو انہوں نے ایک تقریر میں فرمایا:-

"کہ علماء ہمارے پیش کردہ دستور کو تو رد کر دیتے ہیں، خود کوئی دستور بنا کر پیش نہیں کرتے!"

اس پر مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب خیال کے علماء کا ایک اجتماع کراچی میں طلب کیا اور ۳۲ علماء کے دستخط سے بائیس ۲۲ نکاتی دستور بالاتفاق پاس کرا کے حکومت کو بھیج دیا کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۵۱ء کو ایک جلسۂ عام سے خطاب کرنے کے لئے اٹھتے ہی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔

اس واقع کو ملت پاکستان کے خلاف ایک خطرناک سازش قرار دیا جاتا ہے۔ میں اس وقت ڈھاکہ ہی میں تھا۔ اس موقع پر جو اجتماع ڈھاکے میں ہوا جس میں اس اندوہناک واقعے پر سخت رنج وغم کا اظہار کیا گیا تھا، بندہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ:۔

دشمن یہ نہ سمجھے کہ لیاقت علی خان کو قتل کر کے وہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ یاد رکھے کہ لیاقت علی خاں کے ہر قطرۂ خون کے بدلے صدہا لیاقت علی پیدا ہو جائیں گے اور پاکستان انشاء اللہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا"

لیاقت علی خاں مرحوم کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین کے وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔

۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب ڈھاکے تشریف لائے تو میں نے ایک جماعتِ علماء کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستورِ اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا، کوشش جاری ہے۔

اسی سال ملتِ پاکستان نے مطالبہ کیا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کی وزارتِ خارجہ سے علیحدہ کیا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ علماءِ اسلام

کے متفقہ فتوے سے یہ فرقہ مرتد مانا گیا ہے، اس کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ لوگ خود بھی اپنے کو مسلمانوں سے الگ ایک جماعت سمجھتے ہیں، چنانچہ قائدِ اعظم کی نمازِ جنازہ میں ظفر اللہ خاں شریک نہیں ہوئے۔

اس تحریک نے زور پکڑا یہاں تک کہ ایک وفد علماء و عمائد کا خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملا، پھر ایک اجتماع خصوصی حضراتِ علماء کا ہوا جس میں پندرہ علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی کہ اگر حکومت نے ایک مہینے کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اس کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔

جس کا فیصلہ اس کمیٹی کے مشورہ سے ہوگا، کمیٹی میں مشرقی پاکستان سے چار پانچ علماء کو لیا گیا تھا جس میں ایک میرا نام تھا اور مولانا شمس الحق صاحب فریدپوری مہتمم جامعہ قرآنیہ (ڈھاکہ)، مولانا دین محمد خاں صاحب مفتیٔ ڈھاکہ، مولانا اطہر علی صاحب مہتمم جامعۂ امدادیہ (کشورگنج) اور پیر سرسینہ کا نام تھا، بقیہ حضرات مغربی پاکستان کے تھے، مگر لاہور میں قرارکانِ کمیٹی نے جمع ہو کر راست اقدام کا فیصلہ کر لیا، مشرقی پاکستان کے علماء سے رائے نہیں لی گئی اگرچہ ہم نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا اور کوئی مخالفت نہیں کی مگر یہ ضرور ہے کہ ہم نے مشرقی پاکستان میں راست اقدام شروع نہیں کیا۔

اس وقت مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ نورالامین صاحب تھے ان کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ قادیانیوں کے بارے میں جو فتویٰ علماء کا ہے، آپ اس کو مسلمانوں کے اجتماعات میں بیان کر سکتے ہیں جو بات حق ہو، اس کے بیان سے آپ کو روکا نہیں جا سکتا مگر مغربی پاکستان کی طرح یہاں راست اقدام مناسب نہیں۔ میں نے کہا:۔

"بس میں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ یہاں راست اقدام کرنا ہمارا مقصود نہیں"

اسی زمانے میں لاہور سے جتھے پر جتھے کراچی کو روانہ ہو رہے تھے بعض حضرات نے لاہور میں ایک متوازی حکومت بھی بنا لی تھی۔ اس خلفشار کو روکنے کے لئے فوج طلب کر لی گئی اور مارشل لاء لگا دیا گیا، مسلمانوں کا بہت خون ہوا اور بہت سے لوگ جیل خانوں میں بند کر دئے گئے۔

مولانا مودودی بھی گرفتار کئے گئے اور فوجی عدالت نے ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کر دی۔

میں نے جامع مسجد چوک بازار (ڈھاکہ) میں عشاء کے بعد جلسہ طلب کیا اور فوجی عدالت کے اس حکم پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ:۔

"غالباً فوجی عدالت کا بڑا افسر قادیانی ہے، اسی لئے اس نے مولانا مودودی کا رسالہ "قادیانی مسئلہ" ضبط کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے۔

مگر اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مسئلے میں سارا عالم اسلام متفق ہے۔ اگر اس بنا پر مولانا مودودی کو پھانسی دی جاتی ہے تو ہم سب پھانسی پانے کو تیار ہیں"۔

پھر خواجہ ناظم الدین صاحب کو اسی قسم کا لمبا تار دیا گیا۔ جلسے کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی صاحب بوگرا (جو اس وقت غالباً وزیر خارجہ تھے) اپنے گھر سے کراچی جانے کے لئے ڈھاکے آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے طے کیا کہ صبح ہی ان سے ملاقات کریں گے۔

چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ہم ان سے ملنے گئے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے اور ملاقات کی غرض معلوم کی۔ میں نے کہا کہ "حکومت پاکستان ایک طرف تو یہ دعوے کرتی ہے کہ وہ نظامِ اسلام قائم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اس کا عمل یہ ہے کہ نظام اسلام کے لئے کوشش کرنے والوں کو پھانسی دینا چاہتی ہے"۔

کہنے لگے:۔

"کس کو پھانسی دینا چاہتی ہے؟"

میں نے کہا:۔

"آپ کو خبر نہیں کہ مولانا مودودی کے لئے فوجی عدالت نے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے؟"

کہنے لگے:۔

"مجھے بالکل خبر نہیں۔ میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں اور

جاتے ہی اس فیصلے کی منسوخی کے لئے پوری کوشش
کروں گا۔"
ہم نے شکریہ ادا کیا۔ اگلے ہی دن خبر آگئی کہ پھانسی کی سزا کو
چودہ سال کی قید میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔
میں نے اس پر بھی جلسۂ عام میں کڑی تنقید کی کہ :۔
"مولانا مودودی بڑھاپے کی حد میں آچکے ہیں، ان کے
لئے چودہ سال کی قید کے معنے یہ ہیں کہ وہ جیل ہی میں مر
جائیں گے! یہ پھانسی ہی کی دوسری شکل ہے۔"
اللہ نے کیا، یہ سزا بھی کم ہو گئی اور دو تین سال کے بعد مولانا
رہا ہو گئے۔
لیاقت علی خاں مرحوم نے قرار دادِ مقاصد منظور کرانے کے بعد قومی
اسمبلی کے ذریعے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی۔
اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا خاکہ تیار کرے۔
سنہ ۱۹۵۳ء میں بعض ترمیموں کے ساتھ اس کمیٹی کی دوسری رپورٹ
خواجہ ناظم الدین صاحب نے پیش کی جس پر غور کرنے کے لئے
مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتبِ خیال کے علماء کو دوبارہ
کراچی میں جمع کیا۔
جس میں یہ احقر بھی شریک تھا اور مولانا مودودی، مولانا سید
سلیمان صاحب ندوی، مولانا محمد حسن صاحب امرتسری (ثم لاہوری)،

اور مولانا داؤد غزنوی بھی موجود تھے۔

قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء کو دستوری روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد (گورنر جنرل) نے برطرف کر دیا جب کہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ قادیانی میں ان کی نازیبا روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔

اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب کو اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا۔

اگر خواجہ صاحب نے مجلس ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرزِ عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

میرا اپنا خیال یہی ہے اور جس وقت خواجہ صاحب نے اپنے کو گورنر جنرل کے عہدے سے اتار کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کیا تھا اس وقت بھی میں نے اپنے دوستوں سے کہہ دیا تھا کہ خواجہ صاحب نے اچھا نہیں کیا، ان کے لئے گورنر جنرل کا عہدہ ہی مناسب تھا۔

اس طرح خواجہ ناظم الدین مرحوم کے دور میں آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب گورنر جنرل نے محمد علی صاحب بوگرا کو نیا وزیر اعظم نامزد کیا۔

اسی زمانے میں مسلم لیگ اور عوامی لیگ کا مقابلہ مشرقی پاکستان

یں ہوا جس میں عوامی لیگ غالب ہو گئی۔
یں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان
آنے کی نیت کر لی کیونکہ جون ۱۹۵۴ء میں مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے
ریٹائر ہو چکا تھا۔
اگرچہ موجودہ پرنسپل نے مجھ سے کہا بھی کہ آپ بدستور اپنے کام
پر آجائیں، آپ کی میعاد میں توسیع کرا دی جائے گی، مگر عوامی لیگ
کی کامیابی اور مسلم لیگ کی ناکامی سے مشرقی پاکستان سے دل برداشتہ
کر دیا تھا۔ اس لئے میں نے توسیع کو گوارا نہ کیا۔
وزیر تعلیم مشرقی پاکستان نے بھی مدرسۂ عالیہ سے میرے الگ ہو
جانے پر افسوس ظاہر کیا۔ اگر میں چاہتا تو یہ جگہ میرے لئے مدت تک
برقرار رہ سکتی تھی مگر اب مغربی پاکستان ہی کی طرف دل کی کشش
ہو رہی تھی۔
پہلے حج کا ارادہ کیا۔ مولانا مفتی دین محمد صاحب، مولانا شمس
الحق صاحب فریدپوری اور چند علماء ڈھاکہ اس حج میں میرے ساتھ
تھے۔ حج سے فارغ ہو کر ڈھاکے واپس آیا ہی تھا کہ اکتوبر ۱۹۵۴ء
میں مولانا احتشام الحق صاحب ہوائی جہاز سے مجھے دار العلوم ٹنڈو الہ یار
کے عہدۂ شیخ الحدیث پر بلانے کے لئے تشریف لائے۔ میں نے
وعدہ کر لیا اور سامان کر کے اواخر اکتوبر ۵۴ء میں کراچی ہوتا ہوا ٹنڈو
اللہ یار پہنچ گیا اور اب تک اسی دار العلوم میں قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

دارالعلوم کی خدمت کو قبول فرمائیں

میرے اعزہ و احباب کا خیال ہے کہ میں نے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں قیام کر کے اپنے کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا، کراچی یا لاہور میں قیام ہوتا تو مغربی پاکستان میں بھی میرا وہی مقام ہوتا جو مشرقی پاکستان میں تھا۔

ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ زندگی کے آخری ایام میں سکونِ قلب اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اور یہ بات قصبات ہی میں حاصل ہوتی ہے، شہروں میں نہیں۔ اس لئے میں اپنی اس گمنامی پر خوش ہوں۔

تمنا یہ ہے کہ زندگی کے آخری ایام اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزر جائیں اور مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع الغرقد میں دفن ہونا نصیب ہو جائے

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

بحمداللہ میں اس گمنامی میں بھی خدمتِ پاکستان سے غافل نہیں ہوں۔ صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کو برابر خطوط سے نیک مشورہ دیتا رہتا ہوں۔ عمل کرنا نہ کرنا ان کا کام ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ میرے خطوط پر توجہ فرماتے اور بعض دفعہ شکریہ سے یاد بھی فرماتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حکومتِ پاکستان کو صحیح معنٰے میں اسلامی حکومت بنا دے۔ یہاں قانونِ اسلام اصلی صورت میں نافذ ہو جائے تو ساری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی۔ حق تعالےٰ کا اٹل وعدہ

ہے :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ :- اگر بستیوں والے ایمان اور تقوٰی پر گامزن ہوں تو ہم ان کے لئے آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیں گے۔

ہم نے کسی قدر جذبۂ ایمانی سے کام لیا تھا تو حق تعالٰے نے ہماری کیسی مدد فرمائی کہ ہمیں اپنے سے چھ گنی طاقت پر غلبہ عطا فرما دیا۔

اگر ہم پوری طرح ایمانی جذبے اور تقوٰے کو اپنا شعار بنالیں، پھر کیا کچھ ہوگا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالٰے سب مسلمانوں کو اپنے دین کا شیدا بنائیں اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

مطابق

۵ر ستمبر ۱۹۶۶ء

بمقام : ٹنڈو اللہ یار

(اشرف آباد ضلع حیدر آباد)

تتمہ

اب آپ کے بقیہ سوالات کا جواب عرض ہے:-

۶۔ زمانۂ تعلیم سات سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک۔ انیس سال کی عمر میں مدرس بنا دیا گیا۔

۷۔ دارالعلوم دیوبند، امداد العلوم تھانہ بھون، جامع العلوم کانپور اور مظاہر علوم سہارنپور۔

۸۔ طالب علمی کے قابلِ ذکر واقعات مفصل مضمون میں آچکے ہیں۔ ایک واقعہ رہ گیا جو درج ذیل ہے:-

۱۳۲۵ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی کانپور تشریف لائے تو آپ کو معلوم ہوا کہ ملکانہ راجپوتوں کو جو نواحِ کانپور میں آباد ہیں، آریہ سماج ہندو بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت نے جمعے کے بعد وعظ میں مسلمانوں کو تبلیغ کی تحریک کی اور فرمایا:-

"میرا ارادہ ہے کہ ان دیہات کا دورہ کروں"

بعض رؤساء نے سامانِ سفر کا انتظام کیا۔ بیل گاڑیاں، خیمے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر حضرت حکیم الامت کے ساتھ ہو گئے۔

اس سفرِ تبلیغ میں مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی، میرے بڑے بھائی مولانا سعید احمد تھانوی مرحوم اور اساتذۂ جامع العلوم کانپور بھی ہمراہ تھے اور یہ ناچیز بھی تھا۔

دورہ ہوا اور جلسے ہوئے جس سے بحمد اللہ ارتداد کی بلا رک گئی ملکانے اسلام پر مضبوط ہو گئے۔

۹۔ اساتذہ (ناموں کی ترتیب اپنی تعلیم کی ترتیب پر ہے):۔

۱۔ حافظ امداد صاحب

۲۔ حافظ غلام رسول صاحب

۳۔ حافظ عبداللطیف صاحب نابینا

۴۔ مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی

۵۔ منشی منظور احمد صاحب دیوبندی

۶۔ مولوی نذیر احمد صاحب دیوبندی

۷۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی

۸۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ

۹۔ برادرم مولانا سعید احمد صاحب مرحوم

۱۰۔ مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانیؒ

۱۱۔ مولانا محمد رشید صاحب کانپوری

۱۲۔ مولانا مقبول حسین صاحب فتحپوری

۱۳۔ مولانا محمد انعام اللہ صاحب کانپوری

۱۴۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی قدس سرہٗ

۱۵۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی

۱۶۔ مولانا عبداللطیف صاحب قاضی پوری (ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

۱۷۔ مولانا عبدالقادر صاحب پنجابی
۱۸۔ قاری عبداللہ صاحب مکی رح
۱۹۔ قاری محمد صدیق صاحب خراسانی
۲۰۔ قاری عبدالعزیز صاحب بہاری مرحوم

(۱۰) سند حدیث مندرجہ ذیل علمائے کرام سے حاصل کی :۔
۱۔ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی رح
۲۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رح
۳۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبھٹوی رح
۴۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی
۵۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رح

(۱۲۰/۱۱) اساتذۂ کرام جن سے سندِ حدیث حاصل کی ہے، ان سے ہی زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے بھی متاثر ہوا ہوں اور مولانا سید علوی مالکی مکی سے بھی اور علامہ محمد زاہد الکوثری مصری اور علامہ سالم عطیہ استاذ جامعہ سعودیہ مدینہ منورہ سے بھی۔

اگرچہ اخیر کے دو حضرات سے ملاقات نہیں ہوئی مگر غائبانہ ہی ان کے فضل و کمال سے متاثر ہوا ہوں۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی علم تاریخ اور عربی ادب کے ماہر تھے۔ میں اکثر اپنے اشعار عربیہ ان کے ملاحظے کے لئے بھیجتا

علامہ محمد زاہد الکوثری اور علامہ سالم عطیہ نے اعلاء السنن اور مقدمۃ اعلاء السنن پر بہت گراں مایہ تقریظیں لکھی ہیں جو ان کے کمال علم و فضل کی شاہد ہیں۔

مولانا محمد یحیےٰ صاحب کاندھلوی علم حدیث میں کمال کے ساتھ عربی ادب میں بھی کامل تھے۔ ان کا ایک شعر مجھے یاد ہے جو انہوں نے اپنی پہلی بیوی کے مرثیہ میں لکھا تھا ؎

راحوا بہا یوم الخمیس فلم ازل
قلق الفؤاد بکل یوم خمیس

میں نے اس شعر کو اپنی پہلی بیوی کے مرثیہ میں شامل کر کے اس کو پورا کر دیا ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحبؒ نسبت صحابہ اور کمال اتباع سنت کے ساتھ علم فقہ میں بڑے کامل تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کو علم تصوف اور تفسیر میں کمال حاصل تھا۔ تربیۃ السالک و اصلاح معاشرت حضرت کا بڑا کارنامہ ہے وہ اپنے زمانے کے مجدد تھے۔

(۱۳) تدریسی زندگی اختیار کرنے کا سبب یہ تھا کہ بغیر تدریس کے علم مستحکم نہیں ہوتا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو بھی چاہیئے کہ عہدۂ قضا کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے تاکہ علم پختہ ہو جائے۔

۱۴۔ اکثر واقعات گزر چکے۔ ایک قابلِ ذکر واقعہ رہ گیا، وہ یہ کہ:۔
ایک سال مرزا بشیر احمد قادیانی سہارنپور آئے اور مدرسہ مظاہر علوم کا معاینہ کیا۔ مہتمم صاحب ان سے واقف نہ تھے اس لئے پورے احترام واکرام کے ساتھ ان کو مدرسے کا معاینہ کرایا۔ کتب خانہ دکھلایا اور چائے پلائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو قادیانی تھے۔ بڑا افسوس ہوا کہ ہم نے مرتدین کا بے جا احترام کیا۔

چنانچہ میں اپنے چند احباب کے ساتھ مرزا بشیر احمد کی قیام گاہ پر پہنچا۔ وہ تو اس وقت سو رہے تھے، مولوی غلام سرور قادیانی بیدار تھے، ان سے ملاقات ہوئی اور ہم نے اپنے آنے کی غرض بتلائی کہ:۔

"ہم ختم نبوت کے مسئلے پر آپ سے گفتگو (مناظرہ) کرنا چاہتے ہیں۔"

کہنے لگے:۔

"مرزا صاحب تو اس وقت سو رہے ہیں۔"

میں نے کہا کہ:۔

"وہ جس وقت بیدار ہوں، ان کو ہمارا پیام پہنچا دیں اور وہ جو وقت مقرر کریں، مدرسہ مظاہر علوم میں ہمیں اس کی خبر بھیج دی جائے۔"

اس گفتگو کے درمیان بشیر صاحب بھی بیدار ہو گئے۔ ہم نے ان

سے بھی یہی کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ :-

"اُس وقت ہم مناظرے وغیرہ کی نیت سے نہیں آئے "

ہم نے کہا کہ :-

"نیت کرنا کیا مشکل ہے، اب کرلی جائے "

مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو ہماری جماعت نعرۂ تکبیر کے ساتھ "مسئلہ ختم نبوت زندہ باد"، "منکر ختم نبوت مردہ باد" کہتے ہوئے واپس آگئی۔

اس کے بعد مجھے مدرسے کی ایک ضرورت سے کوہ مسوری پر جانا ہوا۔ وہاں سہارنپور کے ایک تاجر کی بڑی دکان تھی۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ایک وقت کھانے پر مدعو کیا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ یہ قادیانی ہو گیا ہے۔ اس لئے انکار نہ کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قادیانی ہو گیا ہے۔

کھانے کے وقت ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ کھانے میں دیر تھی، اس لئے گفتگو شروع ہوئی۔

کہنے لگے :-

"مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ اپنے آپ کو مسیح موعود کہتے ہیں "

میں نے کہا :-

"وہ غلط کہتے ہیں، مسیح موعود آسمان سے نازل ہوں گے

وہ بطن مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے تھے اور آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں۔ مرزا غلام احمد مسیح موعود کیسے ہو سکتے ہیں؟"
کہنے لگے کہ:۔

"عیسٰی علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں، آسمان پر نہیں ہیں اور جس مسیح کے ظہور کا وعدہ حدیثوں میں آیا ہے وہ مثیلِ مسیح ہو گا۔"

میں نے کہا:۔

"یہ تاویل غلط ہے کیونکہ عیسٰی علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا قرآن سے بھی ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے، امت کا اس پر اجماع ہے۔ اس لئے اس کے خلاف جو تاویل ہو گی، رد کی جائے گی۔"

دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس پر وہ لاجواب ہوئے اور ہم بغیر کھانا کھائے وہاں سے واپس آ گئے۔

۱۵۔ مجھے علم حدیث سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اس کے بعد عربی ادب سے

۱۶۔ **علمی خدمات:** مظاہر علوم سہارنپور، امداد العلوم تھانہ بھون مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ، مدرسہ راندیریہ رنگون، مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ، ڈھاکہ یونیورسٹی، مدرسہ عالیہ ڈھاکہ، جامعۂ قرآنیہ ڈھاکہ اور اب دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں درس حدیث دے رہا ہوں اور احکام القرآن کی تالیف میں مشغول ہوں۔

۱۔ سب سے بڑی علمی تصنیف (مقدمۂ اعلاء السنن اور اعلاء السنن) ہے جو تقریباً بیس جلدوں میں پوری ہوئی ہے۔ اس کا تذکرہ مفصل مضمون میں گزر چکا ہے۔

۲۔ **تلخیص البیان:** جس میں تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حکیم الامتؒ کا خلاصہ کیا گیا ہے۔ حمائل کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ کاش دوبارہ عمدہ خط میں طبع ہو جائے۔ (پہلی طباعت اچھی نہیں ہوئی)

۳۔ **الدرّ المنضود ترجمۃ البحر المورود:** مصنفہ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ (مصری) تصوف میں ہے۔ حصہ اوّل مستقل طبع ہوا، بقیہ حصے رسالہ "النور" میں شائع ہوئے۔

۴۔ **ولادت محمدیہ کا راز:** تاریخ اسلام میں ہے۔ یہ کتاب قسط وار رسالہ **النور** (تھانہ بھون) میں شائع ہوئی ہے۔ مستقل نہیں

۵۔ **رحمۃ القدوس ترجمۂ بہجۃ النفوس:** مصنفہ علامہ ابن ابی جمرہ مالکیؒ۔ اس میں مصنف نے احادیث سے مسائل تصوف کا استنباط کیا ہے۔ حضرت حکیم الامت کے ارشاد سے ترجمہ کیا گیا۔ دو حصوں میں طبع ہو گیا ہے۔

۶۔ **القولُ المنصُور فی ابن منصُور:** حسین بن منصور حلاج کے حالات میں ہے یہ بھی حضرت حکیم الامتؒ کی خواہش سے لکھا گیا۔ طبع ہو گیا ہے۔ اس کی تکمیل پر حضرت نے ایک قیمتی

مصلّٰی عطا فرمایا۔

۷۔ **البنیانُ المشیّدہ ترجمۃ البرہانُ المؤیّد:** یہ حضرت قطب زمان مولانا سیّد احمد کبیر رفاعیؒ کے مواعظ کا ترجمہ ہے جس میں عقائد واعمال اور تصوف سب ہی کا بیان ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور بڑی ہی عمدہ تقریظ تحریر فرمائی اور اہل سلسلہ کو اس کے مطالعے کی تاکید بھی فرمائی۔ طبع ہو چکا ہے۔

۸۔ **اسبابُ المحمودیۃ ترجمہ آدابُ العبودیۃ:** علامہ شعرانیؒ (مصری) کے عربی رسالے کا ترجمہ ہے۔ رسالہ النور (تھانہ بھون) میں قسط وار شائع ہوا۔

۹۔ **انجاد الوطن عن الازدراء بامام الزمن:** امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے جس میں امام صاحب کا فقیہ اعظم ہونے کے ساتھ محدث اعظم ہونا بھی ثابت کیا گیا ہے (زیر طبع)

۱۰۔ **الشفاء:** اس میں ان شبہات کا جواب ہے جو قرآن پر کئے جاتے ہیں۔ یہ جوابات اکثر تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حضرت حکیم الامتؒ سے ماخوذ ہیں۔ افسوس ہے کہ رسالہ النور (تھانہ بھون) میں بالاقساط ایک دو سال شائع ہوا پھر سلسلہ بند ہو گیا۔

۱۱۔ **احکامُ القرآن:** حنفیہ نے جن مسائل فقہیہ کو قرآنِ کریم سے مستنبط کیا ہے، ان کو جمع کیا گیا ہے۔ **سورۃ النساء** تک لکھا گیا ہے۔ سلسلہ جاری ہے۔ ناظرین دعاءِ اتمام فرمائیں۔

۱۲۔ **فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام** امام کے پیچھے مقتدی پر حنفیہ کے نزدیک قراءت فاتحہ واجب نہیں۔ اس مسئلے پر مفصل و مدلل کلام ہے۔ طبع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ **فضائلِ جہاد**: جب ستمبر ۱۹۶۵ء میں حکومت ہندوستان نے پاکستان پر جارحیت کے ساتھ حملہ کیا تو مسلمانوں میں جذبۂ جہاد زندہ کرنے کے لیے لکھا گیا۔ طبع ہو گیا ہے۔

۱۴۔ **فضائلِ درود شریف**: طبع نہیں ہوا۔

۱۵۔ **براءۃِ عثمان**: بعض صحافی علماء نے حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پر نازیبا تنقید کی تھی۔ اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ طبع ہو گیا ہے۔

۱۶۔ **سفرنامۂ حجاز**: حصہ اول کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ حصہ دوم ماہنامہ "ندائے حرم" (کراچی) میں بالاقساط شائع ہوا ہے۔ حصہ سوم زیرِ تالیف ہے۔

۱۷۔ **تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین**: (تین حصے) مسلمانوں کو شرکتِ کانگریس سے روکا گیا اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات پر توجہ دلائی گئی۔ طبع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ **کشف الدجا عن وجہ الربا**: مفتی حیدرآباد دکن نے دعوے کیا تھا کہ ربا صرف بیع میں ہے، قرض میں نہیں۔ اس کا رد کیا گیا ہے۔ جس رسالے کا جواب ہے وہ عربی میں تھا

لہٰذا جواب بھی عربی میں دیا گیا ہے جس کی عربیت کی علامہ سید سلیمان ندوی نے تعریف کی کہ سلف جیسی عربی ہے۔ ترجمۂ اردو بھی ساتھ رہا ہے۔ اس پر بہت علماء کی تقاریظ ہیں، اعلاء السنن حصہ چہارم کے ساتھ بھی طبع ہو گیا ہے۔

۱۹- **نورٌ علیٰ نور:** دو عربی نعتیہ قصیدوں کا مجموعہ۔ یہ نام حضرت حکیم الامت نے رکھا۔ طبع ہو گئے ہیں۔

۲۰- **وسیلۃ الظفر فی مدح خیر البشر**

عربی نعتیہ قصیدہ۔ یہ نام مولانا سید سلیمان ندوی نے رکھا۔ طبع ہو گیا ہے۔

یہ وہ تصانیف ہیں جو کتابی شکل میں لکھی گئی ہیں۔ متفرق مضامین تو بہت ہیں جو ماہوار رسالوں میں شائع ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں "فاران" (کراچی) میں ایک مفصل مضمون عائلی قوانین کے متعلق شائع ہو چکا ہے۔ ہفتہ وار "شہاب" (لاہور) میں "مقالاتِ عثمانی" کے نام سے متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں۔

۲۱- **انوارُ النظر فی آثار الظفر:** اس رسالے کا نام رکھتا ہوں جو آپ کے سوالات کے جواب میں ہے۔

---

(۱۸) درسِ نظامی میرے نزدیک علوم شرعیہ میں قابلیت پیدا کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ اس میں صرف طریقۂ تعلیم کو بدلنے کی ضرورت

ہے کہ علم ادب کی کتابیں کافیہ و شرح جامی کے بعد پڑھائی جائیں۔ آخر میں پڑھانا جیسا آج کل دستور ہے اچھا نہیں۔

عربی زبان پر حاوی ہونا کتب فقہ و تفسیر و حدیث پڑھنے سے پہلے ضروری ہے۔ علم ادب پڑھانے کے ساتھ اُردو کی عربی، عربی کی اردو بنانے کی مشق بھی کرائی جائے اور کتب فقہ کے ساتھ فتوی نویسی کی۔ علم حدیث پڑھانے کے ساتھ طلبہ کو وعظ و تبلیغ کی مشق کرائی جائے

علم منطق و فلسفہ کی کتابیں زیادہ پڑھانے کی ضرورت نہیں بس اتنی مقدار پڑھائی جائے جس سے متقدمین کے علم کلام کو سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو جائے کیونکہ متقدمین کا علم کلام پڑھنا ضروری ہے اور اس میں فلسفہ یونان کا رد کیا گیا ہے اور منطقی اصطلاحات سے بہت کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کسی قدر منطق و فلسفہ قدیم سے واقف ہونا ضروری ہے۔ منطق و فلسفہ کی زائد کتابیں حذف کر کے علم تفسیر اور علم تاریخ کی کتابوں کا اضافہ کیا جائے۔

ترجمہ قرآن (معراجی) جلالین سے پہلے ضرور پڑھایا جائے۔ درس نظامی کے ساتھ انگریزی پڑھانا اچھا نہیں۔ چونکہ انگریزی سے دنیوی منافع حاصل ہوتے ہیں اس لئے طلبہ درسِ نظامی پر توجہ نہیں کرتے انگریزی پر زیادہ توجہ کرتے ہیں۔

مدرسہ عالیہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اس لئے درسِ نظامی پڑھانے کے زمانے میں انگریزی نہ پڑھائی جائے۔

اس سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ جو چاہیں پڑھیں۔ اگرچہ تجربہ یہ ہے کہ بعد میں انگریزی پڑھنے والے بھی علوم شرعیہ میں ترقی نہیں کرتے، الا ماشاء اللہ۔

۱۹- اصلاح معاشرہ کے لئے میرے نزدیک جماعت تبلیغی میں شامل ہونا بہت مفید ہے۔ جس کا مرکز پاکستان میں رائے ونڈ ضلع لاہور ہے اور اس کی شاخیں کراچی، حیدرآباد وغیرہ تمام شہروں میں قائم ہیں۔ نیز کسی اہل دل عالم عارف کی صحبت میں گاہے گاہے حاضر ہونا بھی ضروری ہے کہ ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (اکبر)

۲۰- تاسیس و تعمیر پاکستان میں بندہ نے جو خدمات ادا کی ہیں، ان کا مفصل مضمون میں تذکرہ آچکا ہے۔

والسلام مسک الختام

ظفر احمد عثمانی عفی عنہ

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

مطابق

۶ ستمبر ۱۹۶۶ء

(یوم دفاع پاکستان، خلدھا اللہ العزیز الرحمن)

مجلس صیانۃ المسلمین

نام ہے اُس نظامِ عمل کا جس کے تحت مُسلمان سرگرمِ عمل ہو کر جملہ پریشانیوں اور الجھنوں سے یقینی طور پر نجات حاصل کر سکتے ہیں جس کو حکیم الامّت حضرۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے نورِ بصیرت سے مسلمانوں کے لیے تجویز فرما کر سب سے پہلے ۱۹۳۰ء میں جاری فرمایا [illegible] ملک کے بعد حضرۃ حکیم الاُمّت کے خلیفہ خاص حضرۃ مولانا جلیل احمد صاحب شروانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پاکستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ زیرِ سرپرستی شیخ المشائخ حضرۃ مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ از اکابر خلفاء حضرت تھانوی جامعہ اشرفیہ میں ہوئی اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ چشمۂ فیض جبھی سے پاکستان میں جاری ہے۔ آخر میں رئیس الاُمّت حضرۃ مولانا جلیل احمد صاحب شروانی نے مجلس کی صدارت [illegible] مولانا سیّد محمد نجم الحسن صاحب تھانوی مدظلہم العالی کے سپرد فرمائی جو بفضلہٖ تعالیٰ اب تک باحسن وجوہ اُن کی زیرِ صدارت جاری ہے ہفتہ وار درسِ قرآن مجید، درسِ احادیثِ شریف، درسِ مثنوی معنوی، خطابتِ جمعہ، دیگر تبلیغی اجتماعات اور مختلف تبلیغی رسائل وغیرہ کی نشر و اشاعت موصوف ہی کی زیرِ نگرانی و سرپرستی بحمد اللہ تعالیٰ جاری ہیں جو حضرات اِن اجتماعات میں شرکت فرماتے ہیں وہ اس کی افادیت و جاذبیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

درحقیقت "مجلس صیانۃ المسلمین" ایک آہنی و فولادی قلعہ ہے جس میں آ کر انسان اپنے کو نفس و شیطان کے ہر حملہ سے محفوظ پاتا ہے۔

تفصیلات کے لیے "نظامِ عمل" کا مطالعہ فرمائیں جو مفت منگایا جا سکتا ہے۔

ارا کین مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین ۶۹۔ مال روڈ، لاہور